صدائے حق

ایک

تبصرہ، تجزیہ، جائزہ

مرتّب
مفتی محمد عامر کان پوری
استاذ جامعہ محمودیہ اشرف العلوم جاج مئو کان پور

ناشر
مکتبہ دار العلوم کان پور
نزد مسجد عائشہ جاج مئو کان پور، یوپی، انڈیا
جامعہ محمودیہ اشرف العلوم جاج مئو کان پور
فون:8052649149

تفصیلات

نام کتاب : صدائے حق ایک تبصرہ، تجزیہ، جائزہ

مرتب : مفتی محمد عامر کان پوری

استاذ جامعہ محمودیہ اشرف العلوم جاج مئو کان پور

ناشر : مکتبہ دار العلوم کان پور
نزد مسجد عائشہ جاج مئو کان پور، یوپی، انڈیا

صفحات : ۸۰

کمپیوٹر کتابت : عبد الرازق اعظمی مکتبۃ الحرمین دیوبند 8979354752

قیمت : ۸۰

ملنے کے پتے

مکتبۃ الحرمین دیوبند ☆ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

مکتبہ امدادیہ سہارن پور ☆ مکہ مسجد کے ڈی اے کالونی جاج مئو کانپور

ابوبکر مسجد جاج مئو کانپور ☆ مسجد عائشہ جاج مئو کانپور

مکتبہ احسان لکھنؤ ☆ زمزم بکڈپو دیوبند

فیصل پبلی کیشنز دیوبند ☆ دار الکتاب دیوبند

مکتبہ دار العلوم کان پور
نزد مسجد عائشہ جاج مئو کان پور، یوپی، انڈیا

فہرست کتاب

☆ پیش لفظ ۵
☆ علم دین اور عصر حاضر ۶
☆ نام ونمود کا انجام ۸
☆ مدارس کی اہمیت ۱۳
☆ مسلمان ہلاکت کے دہانے پر ۱۶
☆ موت کی حقیقت ۱۹
☆ سچے دین کے طلبگار کبھی تنگ دامن نہیں ہوتے ۲۳
☆ اللہ کی قدرت ۲۶
☆ قرون اولیٰ اور بانیانِ تحریک ۲۹
☆ انسان کی کامیابی و بربادی کے اسباب ۳۵
☆ دارالعلوم کا عملی کردار ۳۷
☆ زمانہ کروٹیں بدلتا رہتا ہے ۴۱
☆ مرد مجاہد کی پہچان ۴۳
☆ وقت کی اہمیت ۴۵
☆ عدل ۴۷
☆ مسلمان ہند کے کارنامے ۵۰
☆ ہم نے تخریب سے خود اپنا نشیمن پھوکا ہے ۵۱
☆ ہم مسلمان نہیں؟ ۵۷
☆ ترقیات کے پردے میں تنزل وانحطاط ۶۳
☆ تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں ۶۳

☆ علماء وطلباء کی ذمہ داریاں ۵۷
☆ مظلوم فلسطین کی دل خراش داستان ۷۰
☆ عظمت قرآن ۷۳
☆ مسجد اقصیٰ کی نالہ اور فریاد ۷۶
☆ الوداع مادر علمی دار العلوم ۷۹

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے ہمارے اکابرین کو دین کا پاسباں بنادیا، قلم میں زور دیا، دل میں امت کی اصلاح کی خاطر درد دیا، ان کو وہ سوچ وفکر اور تڑپ دی، جو شاید ہی کسی کے حصے میں آئی ہو، ان اکابرین نے اپنی پوری توانائی اور اپنی پوری تڑپ اور اپنی پوری فکر دین کی نشر واشاعت میں صرف کردی؛ تاکہ امت ہلاکت وگمراہی سے بچ جائے، ان کے بھٹکے ہوئے قدم کو پھر سوئے حرم کا راستہ مل سکے، ان کے مردہ دلوں کی مسیحائی ہو سکے، یہ کتاب ان ہی اکابرین کی صدائے حق کی خوشہ چین گلدستہ ہے۔

اس کتاب میں اکثر وبیشتر مضامین اپنے اکابر ہی تراشیدہ کم وبیش اضافہ کے ساتھ، اور کچھ مضامین خود راقم الحروف کے ہیں، جو اثر خامہ کے نام سے ہے، اور کچھ وہ ہیں جو دیگر رسالے وغیرہ میں لکھے گئے تھے، جسے سہارا اخبار ماہنامہ دارالعلوم اور دیگر مرکزی رسالے میں وغیرہ، اور یہ کتاب دراصل صرف ایک کتاب نہیں بلکہ ہمارے اکابرین کی علمی زندگی کا ایک خزینہ ہے، ان کی زندگی کا نچوڑ ہے، یہ مضمون ان کے ہیں، الفاظ میرے ہیں مفہوم ان کے ہیں، تعبیر میری ہے، درد ان کے ہیں صداء میری ہے، ان اکابرین میں سرفہرست مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا عتیق الرحمان سنبھلیؒ، مولانا قاری طیب صاحبؒ، شیخ علی طنطاوی مصریؒ، خواجہ عزیز الحسنؒ، یوسف القرضاویؒ اسکے علاوہ اور دیگر حضرات ہیں۔

یہ کتاب تجزیہ بھی ہے، تجربہ بھی ہے اور مشاہدہ بھی ہے، مطالعہ کے بعد تبصرہ آپ کی ذمہ داری ہے، راقم کو ستائش کی تمنا ہے نہ صلے کی پروا۔

اگر قارئین کو اس کتاب سے نفع کا سامان ملے، تو اپنے اکابرین کے ساتھ اس راقم کو بھی اپنے دعائے نیم شبی وآہِ سحر گاہی میں ضرور یاد رکھیں۔

خدایا آرزو میری یہی ہے
میرا نور بصیرت عام کر دے

ازقلم : محمد عامر کانپوری

علم دین اور عصر حاضر

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍوؓ بْنِ العَاصِؓ قَالَ:سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ:إِنَّ اللَّهَ لاَ يَقْبِضُ العِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ العِبَادِ، وَلَكِنْ يَقْبِضَ العِلْمَ بِقَبْضِ العُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا.(متفق عليه)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ وابن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ علم کو یوں نہیں اٹھائے گا کہ، اپنے بندوں کے سینوں سے چھین لے؛ بلکہ اس کی صورت یہ ہوگی کہ علماء کو ایک ایک کر کے اٹھا تا رہے گا، یہاں تک کہ جب ایک عالم بھی باقی نہ رہے گا، تو لوگ عالموں کے بجائے جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے پھر ان سے فتوی لیا جائے گا، تو لوگ بے علمی کے ساتھ فتوی دیں گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ خود تو گمراہ ہوں گے، دوسروں کو بھی گمراہ کر دیں گے۔

خدا تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک صفت علم ہے اور یہی انسانیت کا طرّہ ءامتیاز ہے؛ بلکہ ایک منشاء خلافت آدم علیہ السلام کا یہ بھی ہے۔

یہ حدیث خبر دار کرتی ہے کہ ایک ایسا دن آئے گا کہ یہ عظیم نعمت، انسانوں سے واپس لے لی جائے گی، یہ وہ خطرناک دور ہوگا، جب کہ انسانیت کا گویا خاتمہ قریب ہوگا، اور خلافت ارضی فنا ہونے والی ہوگی، اس نعمت کے اٹھنے کے اسباب بھی حدیثوں میں مذکور ہیں، وہ علماء کی جانب سے ان کے قلوب میں دنیوی طمع کا پیدا ہونا، اور مخلوق کی جانب سے اس کی ناقدری اور اس سے بے نیازی ہوگی۔

یہاں ایک تیسری بات قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ صحیح علماء ہوں گے، وہ اٹھتے چلے جائیں گے، جو ان کے جانشین ہوں گے، وہ نام کے علماء ہوں گے، ان کے سینے سے صحیح علم خالی ہوں گے، یعنی علم نبوت اور خشیت الٰہی سے، جس کے نتیجہ میں عام گمراہی پھیل جائے گی، جس طرح علم ہی کے ذریعہ خلافت ارضی قائم ہوئی تھی، اسی طرح اس کے

خاتمہ سے وہ بھی ختم ہو جائے گی، آج اسی دور سے ہم لوگ گزر رہے ہیں، یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ آج علم سائنس کی تعلیم حاصل کرنا، بہت ضروری ہے؛ لیکن اپنے اصل علم میں دسترس اور رسوخ حاصل کرنے کے بعد؛ ورنہ اس شوق میں اصل علم فنا نہ ہو جائے گا، اگر صحیح علماء جدید فنون سیکھ لیں، تو وہ جدید فنون کا استعمال اس طرح کریں گے کہ ان فنون کا فائدہ بھی ہوگا، اور صحیح علم بھی اپنے مرکز سے ہٹنے نہ پائے گا؟ لیکن اگر جدید سائنسداں دو چار کتابیں پڑھ کر علماء کی فہرست میں داخل ہو گئے، تو پھر یہ ہو کر رہے گا کہ دانستہ یا نادانستہ وہ عمل صحیح کو سائنس کی جدید روشنی میں مطالعہ کریں گے، (جیسے مستشرقین) جس کے بعد صحیح علم کا اپنے مرکز سے ہٹنا لازم ہوگا، اس لیے آپ کو یہ فیصلہ کر لینا ہے کہ آپ کو علم نبوت درکار ہے یا نہیں؟ جدید تعلیم کی بدولت دیندار طبقہ میں جو نئے سمی اثرات پیدا ہوں گے وہ علامہ اقبالؒ کے ان اشعار میں پڑھ لیجیے۔

فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی
رہ گئی رسم آذاں روحِ بلالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

یہ تو ان کے زمانہ کا نقشہ تھا، اب اندازہ فرمالیجیے! کہ اتنے عرصہ کے بعد اب دین کا نقشہ کیا ہوگا، یہی وجہ ہے کہ ابن سیرین سے صحیح مسلم میں منقول ہے :

إِنَّ هَـذَا الْـعِـلْـمَ دِينٌ، فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ یعنی یہ علم نبوت تمہارا دین ہے، اس لیے جب اپنا دین حاصل کرو ذرا اچھی طرح دیکھ بھال کر لینا، کہ جس سے تم دین حاصل کر رہے ہو، وہ کیسا شخص ہے (یعنی دیندار ہے یا بے دین) کیوں کہ علم کا فیضان واثرات معلم سے مرتب اور ظہور میں آتے ہیں۔ (جواہر حکم: ج ص)

(از مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی : مع اضافہ)

یہ مضمون راقم نے ماہنامہ دار العلوم کے لیے لکھا تھا، جو شائع بھی ہوا۔

نام ونمود کا انجام

عَنْ عَلِیٍّؓ قَالَ قَالَ رسولُ الله :?یُوْشَکُ أن یَّأتِیَ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ، لَـمَـا یَبْقٰی مِنَ الإسلاَمِ إلاَّ اِسْمُهُ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرآنِ إلاَّ رَسْمُهُ مَسَاجِدُهُمْ عَـامِـرَةٌ وَهِیَ خَرَابٌ مِّنَ الْهُدَیٰ عُلُمَاوهُمْ شَرُّ مِنْ تَحْتِ أَدِیْمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِم تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِیْهِمْ تَعُوْدُ.(رواه البیهقی)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ? نے فرمایا : وہ خطرناک زمانہ قریب ہی آنے والا ہے، جب کہ اسلام کا صرف نام ہی باقی رہ جائیگا، اور اسی طرح قرآن پاک کے بھی صرف نقوش باقی رہ جائیں گے، اس وقت اگر تم ان کی مسجدوں کو دیکھو گے تو وہ نمازیوں سے بھری ہوئی، اور آباد نظر آئیں گی ؛لیکن ہدایت سے وہ سب محروم ہوں گے، اس محافظ سے وہ سب برباد ہوں گی، ان کے علماء (دنیا طلب اور بیعلم ہوں گے) اور آسمان کے نیچے بسنے والوں میں سب سے بدتر ہوں گے، اور ایسے فتنہ پرواز ہوں گے، فتنے ان ہی میں سے اٹھیں گے، اور لوٹ کر ان ہی میں داخل ہوں گے۔

قرآن کریم صدیوں تک مسلمانوں کے لیے صرف تلاوت کرنے کی ایک کتاب نہ تھی؛ بلکہ ان کی سیاسی اور مذہبی زندگی کا ایک مکمل دستور العمل بھی اور منشور حیات بھی یہی ایک کتاب تھی، جزیرہء عرب سے نکل کر جب اسلام باہر نکلا، اور قیصر وکسری جیسی بڑی بڑی سلطنتیں اسلام کے زیر حکومت آئیں، تو اس وقت مسلمانوں کی راہ نما بھی یہی کتاب تھی، حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں جب چار دانگ عالم میں اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا، تو اس کی بنیاد بھی یہی کتاب اللہ تھی، تاریخ بتاتی ہے کہ یہ جملہ مفتوح اقوام صرف جنگلی بدو نہ تھیں، بلکہ اپنے ممالک کے لیے کچھ منظّم ضوابط وآئین بھی رکھتی تھیں، عمرانیات وصنائع، اور ملکی ترقیات جتنی ان کے زمانہ میں تھیں، موجود زمانہ کی ترقیات کے لحاظ سے بھی وہ کچھ کم نہ تھیں، یہ دوسری بات ہے کہ جدید ضروریات نے ہمارے دماغوں کو کچھ جدید

ایجادات کی طرف متوجہ کر دیا ہے، جن کی اس وقت ضرورت محسوس نہیں کی جاتی تھی، اور یہ زمانہ کے ارتقاء کا طبعی تقاضا ہے؛ لہذا اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا؛ لیکن یہ سمجھنا خلافِ واقع ہے کہ قرآنی حکومت صرف اس دور میں کامیاب تھی، جب تک کہ دماغوں میں کسی قسم کی علمی روشنی موجود نہ تھی۔

العیاذ باللہ، گزشتہ دور کی ترقیات اور دماغی قابلیتوں کا اندازہ آثار قدیمہ، ماوراء الورا، کے مشاہدات سے کیا جا سکتا ہے، آگرہ کا تاج محل تو آج کی بات ہے، کیا ان زمانوں میں قرآنی قوانین بالکل معطل، اور بے کار ثابت ہو چکے تھے؟ لیکن آج اس کی ناکامیابی کا تخیل جن اسباب کی بنا پر ہے، وہ بہت تفصیل طلب ہیں، جن کا یہ محل نہیں، افسوس ہے کہ اس دستور العمل پر عمل کیے بغیر؛ بلکہ اس کو سمجھے بغیر جب پہلے سے پہلے یہی یہ فیصلہ کر ڈالا جائے کہ قرآنی تعلیمات ہماری ترقیات کا ساتھ نہیں دے سکتیں، تو یہ وہی زمانہ ہے جس کی اس حدیث میں پیشین گوئی کی گئی ہے، اور جب ہماری زندگی کے گوشہ گوشہ سے قرآنی دستور نکل جائے اور اس پر کہیں عمل باقی نہ رہے، تو پھر یہ دن وہی دن ہے، جس کا حدیث مذکور میں بایں الفاظ ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن پاک کی حقیقت صرف اوراق میں مکتوب رہ جائے گی۔

اسلام کا اگرچہ اجمالی عنوان صرف کلمہ طیبہ ہے، لیکن اس کی تشریح میں وہ تمام تفصیلی دفعات بھی شامل ہیں، جو قرآنی ضابطہ کے ماتحت صحابہ وتابعین، وتبع تابعین کے عہد میں احادیث نبویہ کی روشنی میں ان لوگوں نے مدون کی تھیں، جنہوں نے دور اول کے دینی ماحول میں در در پھر کر مختلف ارباب علم سے ان کو حاصل کیا تھا؛ لیکن جب اسلام عجم میں پھیلا اور مختلف قسم کیس مذاہب، مختلف قسم کے عقائد، اور مختلف مزاجوں کے لوگوں سے اس کو سابقہ پڑا، تو ماحول کی اس ناسازگی سے جو نشو نما اس کو اپنے پہلے سازگار ماحول میں حاصل تھی، اب وہ حاصل نہ رہی، اب تو آراء کا اختلاف اس درجہ ناگفتہ بہ حال پر جا پہنچا ہے کہ ایک جماعت نے تو اسلامی تشریحات ہی سے صاف انکار کر ڈالا، حالاں کہ وہ

اسی دور میں مرتب ہوئی تھیں، جس میں احادیث نبویہ کی روشنی، صحابہ وتابعین کے فتاوی کی موجودگی سے اسلام کی تدوین ہوئی تھی؛ لیکن جن لوگوں کو زبان عربی پر عبور حاصل نہ تھا، اس پر جو ماحول ان کو نصیب ہوا وہ کفر کی طاقت کا ماحول تھا، ان حالات میں انھوں نے اس دور کی مرتب کردہ کاوشوں کا نام صرف چند اشخاص کی رائے رکھ، کر اس کو ردی کی طرح پھینک دیا، حالاں کہ وہ متاخرین کے لیے بہت بڑا قیمتی ذخیرہ تھا۔

آج بھی دنیا میں کسی ضابطہ کی تشریحات میں بڑے بڑے ججوں کے فیصلوں کی بڑی قیمت سمجھی جاتی ہے؛ لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں کی ایک جماعت اس سے صرف انکار ہی نہیں کیا؛ بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھ کر براہِ راست خود آنحضرت ؟ کی احادیث سے بھی انکار کر دیا، اسلام کا ایک مسلمہ اصول قرار دے ڈالا، اب ظاہر ہے کہ جب احادیث نبویہ ہی کی کوئی قیمت نہ رہی (والعیاذ باللہ) تو اسلام کے ججوں کی تشریحات کی کیا وقعت باقی رہ سکتی تھی؛ اس لیے بہت سے لوگوں کے سامنے اب ایک صرف قرآن رہ گیا جو کہ عربی زبان میں نازل ہوا تھا، اور وہ بھی فصاحت، وبلاغت کے اس اعلی درجہ میں جس کا نام اعجاز ہے، اس کو ان لوگوں نے بڑے ادب واحترام کے ساتھ (بزعم خود) اردو یا انگریزی تراجیم سے انسانی دماغ کی بنائی ہوئی سائنس کی روشنی میں مطالعہ کرنا شروع کیا، اور وہ بھی ایسے ماحول میں جو اسلام کا ہمنوا تو درکنار، موجودہ زمانہ میں اس کے ناقابل عمل ہونے کا یقین کر چکا ہے، پھر اس کی اسلام پرستی کا یہ ایک احسان ہی کہیے کہ اپنے اس مطالعہ سے جو قرآنی ضابطہ کی تشریح اس کے مغرب زدہ دماغ میں آ گئی، اس نے اس کا نام اسلام رکھ دیا، اور اب اس جدید مجوزہ اسلام میں اتنی لچک پیدا ہوگئی، کہ اگر وہ اس میں نبوت کا ختلاف بھی پیدا ہوجائے، تو پھر بھی وہ اسلام میں قابل برداشت ہوسکتا ہے۔ (والعیاذ باللہ)

خلاصہ یہ ہے کہ اب اسلام کا مفہوم ایک مفہوم بنالیا گیا ہے، جو صرف کلمہ طیبہ (لا الہ الا اللہ) کے وسیع سے وسیع دائرے میں داخل رہنے سے باقی رہ سکتا ہے، اگر چہ اس میں

اس کے بنیادی اصولوں میں سے کتنے ہی اصول کا انکار کر ڈالا جائے، اب اگر انہیں اس پر تنبیہ کی جاتی ہے تو اس کا نام فرقہ پرستی اور تنگ نظری رکھا جاتا ہے، اس کو حدیث مذکورہ کے الفاظ میں یوں ادا کیا گیا ہے، ایک زمانہ ایسا آئے گا جب اسلام کا نام ہی باقی رہ جائے گا، اور اس کی حقیقت اور اس کی روح یکسر فنا ہو جائے گی، کیا آپ ایسے اسلام کو پسند کرتے ہیں؟ حدیث کا تیسرا فقرہ عبرتناک اور تعجب خیز ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام کے اس دور تنزل کا نقشہ اس طرح نہیں بدلے گا کہ قرآن پاک ظاہری طور پر مسلمانوں کے ہاتھوں میں نہ رہے، یا خدانا خواستہ کردہ وہ کھلم کھلا اسلام سے بیزاری اظہار کر دیں، اس کا نام تنزل نہیں، یہ تو کھلا ارتداد ہے؛ بلکہ یوں ہوگا کہ ظاہری رونق پہلے سے زیادہ ہوگی اور اسلام کا دعوی پہلے سے زیادہ طمطراق کے ساتھ ہوگا، ذرا نگاہ عبرت سے دیکھیے کہ کیا قرآن پاک کبھی اس آب وتاب سے چھپا کرتے تھے؟ اور کیا کبھی غلغلہء اسلام گلی اور کوچوں میں اس طرح بلند آہنگی سے مچا کرتا تھا؟ اس طرح یہ تنزل اس طرح پیش نہیں آئے گا کہ مسجدوں کی تعمیر بلند ہو جائے، یا اس میں نمازی نظر نہ آئیں؛ بلکہ مساجد پہلے سے زیادہ رونق دار بنائی جائیں گی، نمازی بھی اس میں پہلے سے زیادہ نظر آئیں گے، مگر یہ سب کی فخر ومباہات کے لیے ہوگا، ہدایت کی روح ان میں کم ہوگی، اور ان سب کی بنیاد یہ ہوگی اس وقت جوان کے علماء ہوں گے، وہ مخلوق میں ان وقت آسمان کے نیچے سب سے بدتر جماعت ہوگی، جب علماء کا حال اتنا ابتر ہو جائے گا، تو پھر روحِ ہدایت کہاں سے آئے گی۔

یہاں جس طرح اسلام کے دورِ انحطاط کی داستان ہے، اسی طرح علماء کے دور انحطاط کا نوحہ بھی مذکور ہے، جن کو اسلامی نقطہء نظر سے علماء کہنا بھی غلط ہے، وہ صرف نام کے علماء ہوں گے، میں یہاں قدیم تاریخ کا تذکرہ کرنا نہیں چاہتا، ابھی قریب ہی زمانہ میں شاہ ولی اللہ، اور ان کا خاندان مثلاً، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، اور ان کے بعد ہمارے زمانہ کے حضرت شیخ الہندؒ، شیخ الاسلامؒ، اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، اور ان کے بعد بھی بہت سے علماء زمانہ میں ایسے

رہے ہیں، جن کی تاریخ ابھی تک زندہ ہے، وہ یہ شہادت دے سکتے ہیں کہ اس طبقہ کو اسلام کی سربلندی کے سوا، دنیوی مقاصد، اور اقتدار سے، ذرہ بھر بھی علاقہ نہ تھا، ان حضرات نے جہاد کیے، اور اپنے وطن چھوڑے، حتی کہ بعض نے شہادت کے جام بھی ذوق وشوق کے ساتھ نوش کیے اور آئندہ علماء کے لیے اپنی زندگی کے یہی سبق چھوڑ گئے ؛اس لیے علی الاطلاق علماء سے بدگمانی کر کے، علماء حق کو بھی نظر انداز کر ڈالنا، اور اس کے برخلاف ایسی کوشش کرنی کہ جس کے نتیجہ میں ایسے علماء پیدا ہی نہ ہو جن میں صحیح اسلامی روح ہو اور صحیح اختلاف رائے کرنے کی ہمت بھی ہو، اسلامی آئین کو زندہ کرنے کے بجائے ہمیشہ کے لیے اس کو دفن کرنے کی مترادف ہوگا۔ (جواہر حکم مصنف بدر عالم صاحبؒ)

مع ترمین واضافہ

یہ مضمون راقم نے ماہنامہ الفرقان کے لیے لکھا تھا۔

مدارس کی اہمیت

دوستو ! ہم کوسب سے پہلے معلوم ہونا چاہیے کہ ایک دینی مدارس کا مقام اور منصب کیا ہے؟ مدرسہ کیا ہے؟ مدرسہ سب سے بڑی کلمہ درگاہ ہے، جہاں آدم گری اور مردم سازی کا کام ہوتا ہے، جہاں دین کے داعی اور اسلام کے سپاہی تیار ہوتیہیں ، مدرسہ عالم اسلام کا بجلی گھر ہے، جہاں سے اسلامی آبادی بلکہ انسانی آبادی میں بجلی تقسیم ہوتی ہے، مدرسہ وہ کارخانہ ہے جہاں قلب ونگاہ اور ذہن ودماغ ڈھلتے ،سنورتے ابھرتے ہیں ، یہاں نظر وفکر کے پیمانے بدلتے ہیں، مدرسہ وہ مقام ہے جہاں سے پوری کائنات کا احتساب ہوتا ہے، جہاں کا فرمان پورے عالم پر نافذ ہے، عالم کا فرمان اس پر نافذ نہیں، مدرسہ کا تعلق کسی تقویم ،کسی تمدن ،کسی کلچر، زبان وادب سے نہیں کہ اس کی قدامت کا شبہ اور اسی کے زوال کا خطرہ ہو،اس کا تعلق براہ راست نبوت محمدی سے ہے، جو عالمگیری بھی ہے اور زندہ جاوید بھی ،اس کا تعلق اس انسانیت سے ہے، جو ہر دم جواں ہے،اس زندگی سے ہے جو ہمہ وقت رواں دواں ہے، مدرسہ درحقیقت قدیم وجدید کی بحثوں سے بالاتر ہے، وہ تو ایسی جگہ ہے جہاں نبوت کی ابدیت اور زندگی کا نمو اور حرکت دونوں پائے جاتے ہیں، کسی مدرسہ کے لیے اس سے بڑھ کر قابل احتجاج اور قابل اعتراض نہیں ہو سکتے کہ وہ محض ایک دارالآثار یا کسی قدیم عہد کی بارگاہ ہے، مدرسہ تو ہر مرکز سے بڑھ کر مستحکم، طاقتور، زندگی کی صلاحیت رکھنے والا، تہذیب وتمدن کا پیغام دینے والا، انسانیت واخوت کا سبق دینے والا، حسن سلوک، پیار ومحبت کی صدائیں بلند کرنے والا، قتل وغارت گری کے بازار کو بند کرنے والا ہے، مدرسہ کا ایک سرا نبوت محمدی سے ملا ہوا ہے، دوسرا سرا اس زندگی سے، جو نبوت محمدی کے چشمہ حیوان سے پانی لیتا ہے، پھر زندگی کے ان کشت زاروں میں ڈالتا ہے، مدرسہ اگر اپنا کام چھوڑ دے تو زندگی کے کھیت سوکھ کر خس وخاشاک ہوجائیں، قتل وغارت گری کا بازار گرم ہو جائے ، انسانیت مرجھانے لگے،

گھروں سے سنت واستحباب کا جنازہ نکلنے لگے، فسق وفجور، بدعت وخرافات کی لب کشائی ہونے لگے، زندوں سے زیادہ مردوں کی مسیحائی ہونے لگے، انسانیت پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جانے لگے، نئی نسل، ونونہال معصوم بچے یہودیت وعیسائیت کے دہانے پر کھڑے ہوجائیں، مدرسہ کے بغیر نہ تو نبوت محمدی کا دریا باب بند ہونے والا ہے، نہ انسانیت کی پیاس بجھنے والی ہے، نہ نبوت محمدی کے چشمہء فیض سے بخل اور انکار ہے، نہ انسانیت کی کاسہء گدائی کی طرف سے استغنا کا اظہار، ادھر سے اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ کی صدائے مکرر ہے، تو ادھر سے ھَلْ مِنْ مَزِیْد کی فغانِ مسلسل، مدرسہ سے بڑھ کر دنیا میں کون سا زندہ جاوید ومصروف ادارہ ہوسکتا ہے؟

زندگی کے مسائل بے شمار، زندگی کے تغیرات بے شمار، زندگی کی ضرورتیں بے شمار، زندگی کی غلطیاں بے شمار، زندگی کی لغزشیں بے شمار، زندگی کے فریب بے شمار، زندگی کے رہزن بے شمار، زندگی کی تمنائیں بے شمار، آرزوئیں بے شمار، زندگی کے حوصلے بے شمار، زندگی کے حسن زینت بے شمار؛ لیکن جب مدرسہ نے زندگی کی رہنمائی اور دستگیری کا ذمہ لیا اسے اب فرصت کہاں؟ دنیا میں ہر ادارہ ہر مرکز، ہر فرد کو راحت اور فراغت کا حق ہے، اس کو اپنے کام سے چھٹی مل سکتی ہے، راحت وچین کی نیندیں سوسکتا ہے، مگر مدرسہ کو چھٹی نہیں، دنیا میں ہر مسافر کے لیے آرام ہے؛ لیکن اس مسافر کے لیے راحت حرام ہے! اگر زندگی میں ٹھہراو ہو، سکون اور وقوف ہو، تو حرج نہیں کہ مدرسہ بھی چلتے چلتے دم لے لے؛ لیکن جب زندگی رواں اور دواں ہے تو مدرسہ میں جمود اور تعطل کی گنجائش کہاں ہے؟ اس کو قدم قدم پر زندگی کا جائزہ لینا ہے، بدلتے ہوئے حالات میں، بگڑے ہوئے معاشرے میں، شجر وحجر، بحر وبر، وحرفت وصناعت، وحزن وغم، فرحت وشادابی میں احکام دینے ہیں، نئے نئے فتنوں کا مقابلہ کرنا ہے، بہکے ہوئے قدموں کو، بگڑے ہوئے خیالات کو راہ راست پر لگانا ہے۔

اگر مدرسہ زندگی سے پیچھے رہ جائے یا تھک کر بیٹھ جائے، یا کسی منزل پر قیام کرے،

یااس کوکوئی مقام خوشی آ جائے ،تو پھر زندگی کی رفاقت اور قیادت کون کرے گا؟ سرورازلی اور پیغام محمدی اسے کون سنائے گا؟ مدرسہ کا تعطل، قیادت ودستگیری سے کنارہ کشی، کسی منزل پر قیام، خودکشی کے مرادف اورانسانیت کی بے مروت اور بے وفائی کے ہم معنی ہے، اورکوئی خودشناس، اورفرض آشنامدرسہ کا تصورنہیں کرسکتا ہے۔ (پاجا سراغ زندگی از مولانا ابوالحسن علی ندوی مع اضافہ)

یہ مضمون راقم نے اپنے عربی ادب کے سال ایک دیواری پرچہ میں لکھا تھا، جوعلی میاںؒ کا اردو مضمون تھا، اب کتاب کی شکل میں پیش خدمت ہے۔

مسلمان ہلاکت کے دہانے پر

آج عالم اسلام پر کفر کی یلغار ہے مسلمانوں کے مراکز، عبادت گاہیں، آثار قدیمہ کو باطل قومیں سب کو مٹانے کے لیے متحد ہیں، محمد عربی ﷺ کے پیروکار جب حقیقتیں داستانوں کا روپ دھار لیتی ہیں، سرمدی صداقتوں پر مرعوبیت کی کائی جم جاتی ہے، دنیا کی رنگینیاں جو جذبوں پر بزدلی کے پہرے بٹھا دیتی ہیں، زندگی سے محبت اور موت سے نفرت زنجیر بن جاتی ہے، بدعملیوں کا چلن عام اور بیع ملی کی وبا پھیل جانے لگی، پھر قدرت کا ہاتھ حرکت میں آتا ہے، غیروں کا رعب دلوں میں اترتا ہے، مسلم نوجوانوں کی صفوں کو تہہ تیغ کرنے کے لیے لشکر نہیں، مرد بھی نہیں ایک عورت کی چیخ کافی ہو جاتی ہے۔

اس لیے ہر مسلمان کو انہی حالت زار پر ضرور غور کرنا چاہیے جو شکل وہیئت سے لے کر افکار ونظریات، عادات واطوار تک ہر چیز میں یہود ونصاریٰ کے نقش قدم پر گامزن ہیں، یہاں تک کہ اس طبقے کا کوئی مسلمان کسی عیسائی کے ساتھ کھڑا ہو جائے تو اس کے جسم، اس کے لباس اور اس کی وضع وہیئت میں کوئی ایک علامت بھی ایسی نہ ہوگی جو اس کے مسلمان ہونے کی نشاندہی کر سکے، اور اس کا قوم رسول اللہ ﷺ سے تعلق بتلا سکے، انہوں نے کھڑے ہو کر کھانا اور موتنا شروع کیا، تم نے بھی ترقی کا راز اسی میں سمجھ کر یہ الٹی راہ اپنالی، انہوں نے لباس مختصر کر کے جسم کے مستور اعضا کی نمائش کا حیا سوز وطیرہ اپنایا، تم نے بھی عریاں ہونے میں کمی نہ کی، انہوں نے تعلیمی اداروں، نائٹ کلبوں، مارکیٹوں اور بوٹیکوں میں اختلاطِ مرد وزن سے جنسی ہیجان کا کلچر عام کیا، تم نے بھی اپنی زندگی کی آنکھوں سے شرم وحیا کا پانی ختم کرنے میں دیر نہ کی، افسوس ! تم نے اس قوم کی صرف برائیاں لیں اور خوبی ایک بھی نہ لی ..... انہوں نے جدید ٹیکنالوجی میں محنت کی، تم نے صرف ان کی زبان وثقافت سیکھنے اور ان کی اصطلاحات رٹنے پر زور دیا، انہوں نے

دنیا کی صنعت کو ایک انقلابی سسٹم دیا، تم نے ساری محنت صرف اسے سمجھنے میں گزار دی، وہ زندگی کی ضرورتوں کے لیے مشینیں بنا گئے اور تم ان بنائی ہوئی مشینوں کے چلانے کو ہی ترقی کی معراج سمجھتے رہے، انہوں نے پہلے تمہاری ثقافت میں اپنے لیے زمین ہموار کی اور اب اپنے ناپاک جسم کے ساتھ برسات کے مینڈھکوں کی طرح کود پڑے، اور تمہاری زمین کے چپے چپے پر ڈیرے جما دیئے۔

یقیناً طبقہ اشرافیہ میں ان کے مقابلے میں سکت تو نہیں ہے؛ لیکن مخلص مسلمانو ! تم کہاں سو گئے ہو؟

کیا تم اس وقت اٹھو گے جب تمہارے مدارس کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا جائے گا؟ دین کے زمرے بلند کرنے والے گنبد ڈھا دیے جائیں گے، تمہارے زندہ تمدن کو اڑتے دھول کی مانند ہوا کے رخ پر چھوڑ دیا جائے گا اور جب تمہاری رگوں میں انسانی تاریخ کے سب سے شاندار تہذیب کے متعلق احساس کمتری کا زہر انڈیل دیا جائے گا، تب تم اٹھو گے؟ لیکن کیا اٹھ سکو گے؟ تم اس وقت صرف اپنے جلتے آشیانوں کے دھویں کا نظارہ ہی کر سکو گے، آہ ! بے بسی کا یہ نظارہ کس قدر اذیت ناک ہوگا؟ اور سب سے بڑھ کر المیہ یہ ہوگا کہ تمہارے نظریات تمہارے افکار، تمہاری ثقافت اور تمہاری زندگی کے طور طریقوں کو خود تمہاری نسلوں کے لیے اجنبی بنایا جا چکا ہوگا، تمہاری تہذیب کے جلتے آشیانے تمہاری اپنی نسلیں دیکھ کر خوش ہوں گی اور تم بے بسی کے آنسو بہاؤ گے؛ لیکن کیا صرف آنسو کی وجہ سے بھڑکتے شعلے انداز گلستاں پیدا کر سکتے ہیں؟ کبھی نہیں ! لوگو ! مجھے یکا یک تمہاری خاموشی دیکھ کر بہت تعجب ہو رہا ہے، طوفان کی طرح امنڈنے والے وہ جذبات آندھی کی طرح گزر کر کہاں غائب ہو گئے، کاخ امراء کے در و دیوار ہلا دینے والے وہ نعرے کیوں خاموش ہو گئے، ہر سمت چھائی ہوئی یہ اذیت ناک خاموشی کب دم توڑے گی، غفلت کے تنے دبیز پردوں میں احساس کے رہزن کب کھلیں گے ان ولولوں، ان جذبوں اور ان صداوں کا موسم کب گرم ہوگا، جس کی حرارت سے جمود کی

برف پگھلے گی، غیرت کی سلیں ابھریں گی، بے بس رات کے اندھیرے چھٹیں گے، سحر کی پو پھٹے گی اور رنگ تحریکوں کے صحن میں راستے بنانے والے مجرموں سے سوال ہوگا، غارت گراں خونِ شہداء کا حساب دو، جواب دو!

(کرنیں: ترجمہ شیخ علی طنطاویؒ مصری)

فنا فی اللہ کی تہہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

مع اضافہ

موت کی حقیقت

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ موت سے کسی کو رستگاری اور نہ ہی اس سے کسی کو مفر ہے۔

ہر آغاز کے لیے انجام، ہر پیدائش کے لیے موت ہر بچپن کے لیے جوانی، ہر جوانی کے لیے بڑھاپا، اللہ تعالیٰ نے اس دار ناپائدار کا دستور ہی نرالا بنایا ہے۔

جب موت کا وقت آتا ہے تو نہ ایک ساعت پیچھے ہوتا ہے نہ ہی ایک ساعت آگے، خواہ کوئی دولت میں قارون، تکبر میں فرعون، ظلم میں ضحاک، تمرد میں نمرود، شرزوری میں رستم، خوبصورتی میں یوسف، صبر میں ایوب، درازیء عمر میں نوح، بسالت میں موسیٰ، خاموشی میں زکریا، گریا میں یعقوب، رضاجوئی میں ابراہیم، حکومت میں سلیمان، صداقت میں حضرت ابوبکرؓ، عدل وسیاست میں عمرؓ، حیاداری میں عثمانؓ، شجاعت میں علیؓ، ملک گری میں سکندر، فصاحت میں سحبان، حکمت میں لقمان، دانش میں ارسطو، سخاوت میں حاتم، شاعری میں فردوسی، وانوری وسعدی موسیقی میں تان شین، ذہانت میں فیضی، جہالت میں ابوجہل، تصوف میں بایزید، نازک دماغی میں ناناشاہ، خون ریزی میں چنگیز، فلسفہ اسلام میں امام غزالیؒ، رفاہ عام میں شاہ سوریؒ، مصوری میں ام حانی دبدبہ میں جمشید، عیاشی میں محمد شاہ رنگیلا، اقبال میں جلال الدین محمد اکبر، طویل القامت میں عوج بن عنق، محسن میں کشی میں رحیلہ، فقہ میں امام ابوحنیفہؒ، قادراندازی میں بہرام گور، کسب حلال میں سلطان ناصرالدین، خوش الحانی میں داود، کثیرازدواجی میں واجدعلی شاہ، جہاد میں سلطان صلاح الدین، سیاحت میں ابن بطوطہ، پختگی ارادہ میں علاوالدین خلجیؒ، غزا میں محمود غزنوی، غربت میں تیکی، رتبہ شہادت میں امام حسین ہی کیوں نہ ہو، لیکن موت سے کسی کو رشتگاری نہیں۔ (ماخوذ مخزن اخلاق)

روح کہتی ہوئی نکلتی ہے تن لاغر سے
اب مجھے روکنے والی کوئی زنجیر نہیں

جگر

اگر موت کو حکومت کے ذریعہ ٹالا جا سکتا ہے، تو فرعون کو کبھی موت نہ آتی، اگر موت کو وزارت کے ذریعہ ٹالا جا سکتا تو ہامان کو موت نہ آتی، اگر موت کو قوتِ بازو کے ذریعہ ٹالا جا سکتا تو رستم اور سہراب کو کبھی موت نہ آتی، اگر موت کو دواوں کے ذریعہ ٹالا جا سکتا تو افلاطون اور جالینوس کو کبھی موت نہ آتی، اگر موت کو حکمت اور دانائی کے ذریعہ ٹالا جا سکتا، تو حضرت لقمان حکیم کو کبھی موت نہ آتی، اگر موت کو وفاوں کے ذریعہ ٹالا جا سکتا تو کبھی بھی نیک بیوی اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے جوان شوہر کو مرنے نہ دیتی، اگر موت کو محبت کے ذریعہ ٹالا جا سکتا تو کبھی بھی ماں اپنی گود میں پڑے اپنے معصوم بیٹے کو مرنے نہ دیتی۔ (پیر فقیر ذوالفقار نقشبندی دامت برکاتہم)

قیصر اور اسکندر وجسم چل بسے
زال اور سہراب ورستم چل بسے

کیسے کیسے شیر وضغیم چل بسے
سب دکھا کر اپنا دم خم چل بسے

کیسے کیسے گھر اجاڑے موت نے
کھیل کتنوں کے بگاڑے موت نے

پیل تن کیا کیا بچھاڑے موت نے
سر وقد قبروں میں گاڑے موت نے
ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

(خواہ عزیز حسن)

موت حقیقی زندگی کا پیش خیمہ اور انسان ترقی کا زینہ ہے، آبادی ویرانی کے بغیر ممکن نہیں، خزانہ جب ہی دستیاب ہوتا ہے، جب زمین کھودی جاتی ہے، جب بنے ہوئے مکان کو ویران کیا جارہا ہو تو سمجھ لو کہ دوبارہ آباد کرنے کا سامان کیا جارہا ہے، ترقی کے مدارج عالیہ کے لیے فنا اور نیستی ضروری ہے، کبھی کسی نے اگلی تختی دھوئے اور پرانے نقش مٹائے بغیر تختی لکھی ہے؟

کبھی مٹی نکالے بغیر زمین کے اندر سے پانی نکالا ہے؟ لکھنے کے لیے آدمی سادہ کاغذ اور بولنے کے لیے آدمی خالی زمین ڈھونڈتا ہے، نیستی ہی ہستی کا استحقاق پیدا کرتی ہے، اور خالق کی رحمت کو جوش میں لاتی ہے، منعم ہمیشہ فقیروں ہی پر سخاوت کرتا ہے۔

تم خود اپنی حالت پر غور کرو، تم برابر ارتقا کے منازل طے کرتے رہے ہو، اور ٹوٹ پھوٹ کا سلسلہ برابر جاری رہا ہے تم نے ایک جامہ ہستی اتارا، دوسرا پہنا، ایک فنا سے تم نے بقا حاصل کیا، اگر تم پہلی حالت پر رہتے تو تم کو یہ ترقی وکمال کہاں سے حاصل ہوتا، اور تم آب وگل میں مقید رہتے، اب آخری ترقی سے کیوں گھبراتے ہو، اور تمہارا طائر روح قفص عنصری سے نکلتے ہوئے کیوں ڈرتا ہے؟

اس لیے کہ دراصل موت، موت نہیں زندگی کی تمہید ہے، اور مرنے کا دن مومن کے لیے شام غم نہیں صبح عید ہے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت)

ہے یہاں سے تجھ کو جانا ایک دن
قبر میں ہو گا ٹھکانا ایک دن
منہ خدا کو دکھانا ایک دن
اب نہ غفلت میں گنوانا ایک دن
آخرت کی فکر کرنی ہے ضرور
جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور

عمر ایک دن گرزنی ہے ضرور
قبر میں میت اترنی ہے ضرور
آنے والی کس سے ٹالی جائے گی
جان ٹھہری جانے والی !جائے گی
روح رگ رگ سے نکالی جائے گی
تجھ پہ اک دن خاک ڈالی جائے گی
زور یہ تیرا نہ بل کام آئے گا
اور نہ یہ طولِ امل کام آئے گا
کچھ نہ ہنگام اجل کام آئے گا
ہاں مگر اچھا عمل کام آئے گا
عیش وعشرت کے لیے انساں نہیں
یاد رکھ تو بندہ ہے مہماں نہیں
غفلت ومستی تجھے شایاں نہیں
بندگی کر تو اگر ناداں نہیں

(مختلف مضامین کا خوشہ چیں)
(خواجہ عزیز حسن)

سچے دین کے طلبگار کبھی تنگ دامن نہیں ہوتے

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی رزق کی ذمہ داری اپنے ذمہ لی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ہم نے تم کو دنیا کمانے کے لیے پیدا نہیں کیا؛ بلکہ اس لیے پیدا کیا کہ تم میری عبادت کرو، حدیث میں ہے، اللہ کے نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا : جس نے اللہ کے دین کی فکر لے لی، اور اپنی تمام فکر اللہ کے دین کی نشر واشاعت کو بنالیا، تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا کے تمام فکروں سے بے نیاز کردیں گے۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اللہ کے دین کے طلبگار ومسافر تنگ دامن نہیں ہوتے، اور نہ ہی کبھی افلاس کے شکار ہوتےہیں جو اللہ کے دین کی خدمت کرے گا، ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ اس کو ایسے ہی چھوڑ دے؛ بلکہ اللہ اس کو ایسے ذرائع سے رزق پہنچائے گا، کہ وہ اس کو گمان بھی نہیں کرسکتا بشرطیکہ وہ سچی طلب سے دین میں لگا ہو، دین کو دنیا کمانے کا راستہ نہ بنائے، جب اللہ تعالیٰ اپنا رزق نافرمانوں اور ناشکروں کو بے تحاشا دیتا ہے، تو کیوں نہ اپنے فرمانبرداروں اور شکرگزار بندوں کو دے گا بظاہر نظر آئے گا قلیل، نفع ہوگا کثیر، آئے گا دیر سے جائے گا دیر سے۔

اللہ کے دین کی سچی طلب پیدا کرو، دنیا کے سارے غم غلط ہوجائیں گے، چین کی زندگی نصیب ہوگی، آخرت میں سرخ رو ہوگے، اللہ نے تو دنیا اپنے نیک بندوں کے لیے بنائی ہے، ان کے صدقہ طفیل میں دوسروں کو مل رہی ہے، دنیا کی ہوس پیدا نہ کرو، آخرت کی چاہت پیدا کرو، علم دین کے شیدائی بنو، نیک ومتقی اکابرین کی صحبت اختیار کرو، اس سے دنیا کی محبت دل سے نکل جائے گی، موت کو کثرت سے یاد کرو، دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوگی، اللہ کا ذکر اپنی **زبان کو سکون یاری ملے گا،** ظلمت کے پردے ہٹیں گے، راستے ہموار ہوں گے، علم سے انسان زندہ ہے علم کے بغیر انسان انسان نہیں۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے فرمایا : اگر میرے پاس علم نہ ہوتا تو کوئی مجھے پہچانتا

نہیں، دارالعلوم اگر نہ ہوتا، تو دیوبند کو کوئی جانتا نہیں، علم کی شمع سے سارے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں، حدیث میں ہے کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب ملعون ہے سوائے دو چیزوں کے، عالم، متعلم

ایک اور حدیث میں ہے دنیا دھوکے کا گھر ہے وہ سرسبز ریشمی لباس میں نظر آتی ہے، اس سے دل لگانے والا کبھی خوش نہیں رہتا، سکون میں نہیں رہتا، اس کی طلب اس کی خواہش، اس کی تمنا کبھی پوری نہیں ہوتیں، یہاں تک کہ اس کو موت کی نیند سلادے، اس لیے دنیا کی محبت دل سے نکال دو، دنیا ایک ہوا کا جھوکا ہے، ایک خواب ہے اس کا طلبگار مجنون ہے، دنیا کمانے پر دل نہ لگاؤ، ضروریات تو فقیروں کی بھی پوری ہو جاتی ہے تمام پر خواہشات بادشاہ کی بھی پوری نہیں ہوتیں، دنیا سے جس قدر قریب ہوتے جاؤ گے وہ اسی قدر تم سے دور ہوتی جائے گی، جب تک جوانی ہے صحت ہے، عہدہ ہے تب تک وہ تمہارے ساتھ ہے، جہاں جوانی ڈھلی، صحت نے اپنا دامن کھینچا، منصب سے دستبردار ہوئے تو وہ تمہارا ساتھ چھوڑے گی، رفیق کے فریق بن جائے گی، ناصر کے بجائے قاتل بن جائے گی۔

جسے آج نغمہ سمجھتی ہے دنیا
وہی نغمہ کل تک فغاں ہو نہ جائے
آج ہر باطل حقیقت بن گیا
ہر حقیقت آج باطل ہوگئی

(جذبی)

دنیا کے سارے سرمایاداروں کی تاریخ گواہ ہے کہ دنیا کے حوالے سے کوئی بھی سرمایادار خوش نہ رہا، کسی نہ کسی موڑ پے شکوہ وگلا کرتا رہا؛ لیکن دین کے جیالے، اسلام کے پاسباں آپ کو ہمیشہ خوش وخرم نظر آئیں گے، ان ہی سے دنیا قائم ہے، ان ہی سے سورج میں روشنی ہے، ان ہی سے چاند وستاروں میں چمک ودمک ہے، ان ہی کی دعاوں سے بارش کا برسنا ہے، درختوں پر پھل کا آنا ہے، ان ہی کی دعاوں سے مریض شفایاب ہوتے

ہیں، انھیں کی آہوں و بکاء سے سارا عالم روشن و تاباں ہے۔

عالم اسلام کے غیور نوجوانوں سے مودبانہ، دردمندانہ گزارش ہے کہ اگر وہ سکون و برکت کی زندگی چاہتے ہیں تو ساری مخلوق سے اپنی توقعات و امیدوں کو منقطع کر کے ایک اللہ سے دل لگائیں، اپنے نبی ؟ کی سنت کو زندہ کریں، ہر فرد و بشر کے گھر میں اسلام کے احکام پہنچائیں، اپنی صبح و مسا کی زندگی کا چوتھائی حصہ دین اسلام کی نشر و اشاعت میں صرف کریں، اپنے بچوں میں سے کسی ایک کو حافظ قرآن اور عالم دین ضرور بنائیں، یا کم از کم دین کی بنیادی باتیں انھیں ضرور بتلا دیں جس سے وہ حلال و حرام میں تمیز کر سکیں، اس کے لیے مدارس و مکاتب اور خانقاہیں کھلی ہوئی ہیں، جو آپ کی اور آپ کے بچوں کے دین کے محافظ و نگہبان ہیں۔

قیصر اور اسکندر و جسم چل بسے
زال اور سہراب و رستم چل بسے
کیسے کیسے شیر و ضغیم چل بسے
سب دکھا کر اپنا دم خم چل بسے
کیسے کیسے گھر اجاڑے موت نے
کھیل کتنوں کے بگاڑے موت نے
پیل تن کیا کیا بچھائے موت نے
سر و قد قبروں میں گاڑے موت نے
مثل کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لاتخف

(اثر خامہ)

یہ مضمون راقم نے کسی مدرسہ کے افتتاحی جلسے میں پڑھنے کے لیے لکھے تھے۔

اللہ کی قدرت

اس کائنات کا ذرہ ذرہ ہمارے اللہ کی قدرت کا شاہکار ہے، اللہ کو جہاں تلاش کرو گے، اللہ وہاں ملے گا، دائیں اللہ، بائیں اللہ، آگے اللہ، پیچھے اللہ، دل میں اللہ، نظر میں اللہ، شجر میں اللہ، حجر میں اللہ، دریاوں کی دھار میں اللہ، انسانوں کی سانس ورگ رگ میں اللہ، وہ اللہ چار پاووں پے دوڑنے والوں کا مالک، دریاوں پے چلنے والوں کا بادشاہ، ہرن کے نافے میں مشک گائے کے تھن میں دودھ، مکھی کے منھ میں شہد، سانپ کے منھ میں زہر، پھاڑنے والے، چیرنے والے، ڈسنے والے، نگلنے والے، ان سب پر ہمارے اللہ کی قدرت ہے، درخت کا ایک پتہ بھی، ہوا کا ایک جھوکا بھی، دریا کا ایک قطرہ بھی، آگ کی ایک چنگاری بھی، مخلوق کی ایک سانس بھی ہمارے اللہ کی اجازت کے بغیر چل نہیں سکتی۔

وہ مالک ہے جہاں چاہے تجلی اپنی دکھلائے
نہیں مخصوص ہے اس کی تجلی طور سینا سے

(اختر)

ایک انار بھی ہمارے اللہ کی قدرت کا شاہکار ہے ایک چھلکا، چھلکے میں دانا، دانے میں رنگ ومزا اتنی تہہ میں انسانوں کی غزا، ذرا اس کی پیکنگ کر کے دکھلاو، اس میں دانا ورنگ بھر کے دکھلاو، اس میں ذائقہ بھر کے دکھلاو۔

وہی اللہ ہے جسے کبھی نیند نہیں آتی، اونگ نہیں آتی، نہ کسی نے اس کو جنا ہے، نہ اس نے کسی کو جنا ہے، ہر عیب سے پاک ہے، ہر چیز پر قادر ہے، مردوں کو زندہ کرنا، زندوں کو موت دینا، صحت سے بیماری، بیماری سے شفایابی، بچپن سے جوانی، جوانی سے بڑھاپا، بڑھاپے سے موت، ایک قطر سے لوتھڑا، لوتھڑے سے گوشت، گوشت سے ایک پورا انسانی جسم، یہ سب ہمارے اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔

آسمانوں کی بلندی، زمینوں کا بچھانا، پہاڑوں کا لگانا، سورج میں روشنی، چاند میں

چمک، ستاروں میں دمک، بادلوں سے پانی کا برسنا، چشموں کا ابلنا، دریا و نالوں کا بہنا، ہواوں کا چلنا، کشتیوں کا پانی پر دوڑنا، جہاز وطیاروں کا فضاوں میں اڑنا ان سب پر ہمارے اللہ کی قدرت ہے۔ لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ہوا میں اڑنے والے پرندے، سمندروں میں بسنے والی مخلوق، خشکی میں چلنے والی مخلوق ان سب پر ہمارے اللہ کی قدرت ہے، زمین سے مختلف درختوں و پودوں کا نکلنا ان پر مختلف قسم کے پھل وسبزیوں کا اگنا، رنگ برنگ کے پھول و پتیاں، ٹہنیاں، شاخیں یہ سب ہمارے اللہ کی قدرت کا شاہکار ہے، عقاب کی بلندی، مور کا ناچنا، پہاڑوں سے آبشاروں کا گرنا، دن ورات کی تبدیلیاں، سردی، گرمی، وبرسات کی آمدورفت، تاج محل کا حسن، قطب مینار کی فلق بوس عمارت، کلیوں کا چٹکنا، پھولوں کا مہکنا، پھلوں میں مختلف قسموں کے رنگ ودانتوں کا بھرنا ان سب پر ہمارے اللہ کی قدرت ہے، پہاڑوں کی بلندی، اس کی چوٹی سے انگاروں کا نکلنا، ان ہی پہاڑوں سے مختلف قسم کے چشموں کا نکل کر بہنا، سمندروں، دریاوں، نالوں کی شکل اختیار کرنا ان سب پر ہمارے اللہ کی حکمرانی ہے، زمین کی تہہ میں کوہ ساری کی چوٹی پر چیوٹیوں کو رزق پہچانا، پانی کی تہہ میں مچھلیوں کو وقت مقررہ پر غذا فراہم کرنا، گھنے صحراوں میں مختلف قسم کے حیوانوں کو اپنی اپنی غذائیں فراہم کرنا، ان سب پر ہمارے اللہ کا ارادہ ہے، مختلف موسموں میں مختلف قسم کے پھلوں، سبزیوں کی آمد یہ ہمارے اللہ کی مرضی ہے، یہی وہ اللہ ہے جس نیہمیں بولنے کے لیے زبان، سننے کے لیے دوکان، دیکھنے کیلیے دوآنکھ، سمجھنے کے لیے دماغ، سونگنے کے لیے ناک، پکڑنے کے لیے دو ہاتھ، چلنے کے لیید و پیر، کام کرنے کے لیے طاقت، سانس لینے کے لیے دو پھیپھڑے، ہاضمے کے لیے آتیں دیں، اگر ان میں سیایک بھی فوت ہوجائے تو ہماری پوری زندگی اجیرن بن جائے گی، ان سب پر ہمارے اللہ کی قدرت اور حکومت ہے؛ بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ ہمارے اللہ کی قدرت کی شاہکار ہے۔

حقیقت کیا تمہاری تھی میاں آہ
یہ سب اللہ کے لطف وکرم تھے

اللہ کی نعمتوں کا حق تو کوئی نہیں ادا کر سکتا ؛لیکن ہم لوگ اللہ کے حکم کی اطاعت وفرمان برداری اوراس کی نعمتوں کا شکرتو ادا کر سکتے ہیں،اوردن کے کچھ حصے اللہ کے دین کو سیکھنے وسکھانے ،نشر واشاعت کے لیے تو نکال سکتے ہیں،اللہ کا اپنے بندوں سے مطالبہ وفرمائش بس یہی ہے۔

(اثر خامہ)

یہ مضمون راقم نے کسی طالب علم کی فرمائش پر لکھا تھا۔

قرونِ اولیٰ اور بانیانِ تحریک

ہدم دین کرتیہوئے اقامت دین کا خواب یوں بھی ایک دیوانے کا خواب ہے، اوراللہ اس سے بے نیاز بھی ہے کہ اس کے نام کا جھنڈا بلند کرنے کے لیے اس کے قائم کردہ اصول پس پشت ڈال دیئے جائیں، اس طریق کار کے نتیجے میں اس جماعت کا اقتدار تو قائم ہوسکتا ہے، جو دین کا نام لے کر برسرِ پیکار ہو؛ لیکن دین بھی صحیح معنوں میں قائم ہوجائے یہ نہ کبھی ہوا ہے نہ ہوسکتا ہے، یہ صورت حال کہ فلاں برائی کو اختیار کرو یا دین کی ترقی میں سست رفتاری اور تعویق کو گوارا کرو؟ تو بالکل طے ہے کہ برائی کو اختیار نہیں کیا جائے گا، خواہ دین کے غلبہ میں کتنی ہی دیر لگ جائے، یہی دین حق کی ایکسپرٹ ہے، یہی ہدایت ربانی ہے، معبود برحق کا دین اپنی اقامت کے لیے ایسی حکمت عملی کو قبول نہیں کرتا جو اس کے اصولوں کی قربانی مانگتی ہو؛ کیوں کہ انھیں اصولوں کا نام تو دین ہے؛ اگر اپنیا ختیار سے (دین کا نام لیوا جتھا) دین کے اصولوں کو توڑتا رہا اور اپنی کامیابی کے لیے اپنی حامی پبلک سے بھی پارٹ ادا کرتا رہا، تو پھر نہایت رنج وملال کے دینی انقلاب کا ذریعہ نہیں بن سکتا، اسوہء نبوی اور اسوہء صحابہ سے اس نظریہ کی تردید ہوتی ہے، اور اس سے تنبیہ اور تلاعب فی الدین کا ایک خطرناک دروازہ کھلتا ہے، ہمارے پیش نظر آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا وہ طریقہ جس کی بدولت اللہ رب العالمین نے آپ کو قرآن مجید میں تنبیہ کی ہے، وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (سورۃ الانعام) یعنی مت دور کر (اپنے پاس سے) ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام، چاہتے ہیں اس کی رضا۔

انبیاء علیہ السلام دنیا میں اللہ کا دین قائم کرنے کے لیے آئے اور اس مقصد کے لیے، جن چیزوں کو انھوں نے ذریعہ اور وسیلہ بنایا وہ تبلیغ وشہادت ہے۔

تبلیغ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو دین ان پر اتارا انھوں نے بغیر کسی کمی

بیشی، بغیر کسی دخل وتصرف اور بغیر کسی رد وبدل کے پوری وضاحت وصراحت کے ساتھ خلق خدا کو پہنچا دیا، نہ اس کے مزاج میں کوئی تغیر ہونے دیا نہ اس کے مواد میں، نہ اس کی ترتیب میں کوئی تبدیلی پیدا کی نہ اس کی تدریج میں، وہ اللہ کے دین کے امین تھے، اس کے موجد اور مصنف نہیں تھے۔

حضرات صحابہ اور قرون اولی کے لوگوں نیہر طرح کے حالات میں صرف یہ سمجھا کہ اس کے پیغام کو لوگوں تک پہنچائیں، انھوں نیاس بات کی پرواہ کبھی نہیں کی کہ اس کی تبلیغ حالات ومصالح کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور لوگ اس کو رد کریں گے یا قبول کریں گے، اگر مصلحت کے پرستاروں کی طرف سے کبھی یہ اصرار کیا گیا کہ فلاں بات میں اگر یہ ترمیم واصلاح کر دی جائے تو وہ پورے دین کو قبول کر لیں گے، تو انھوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم اپنی جانب سے اس میں کسی رد وبدل کے مجاز نہیں ہیں، شہادت کا مطلب یہ ہے کہ دل سے زبان سے، قول سے، عمل سے، خلوت سے، جلوت سے، زندگی سے، موت سیغرض اپنی ایک ایک ادا سے انھوں نے اسی دین کی گواہی دی، جس کے وہ داعی بن کر آئے ان کی زندگی کی کتاب اور ان کی دعوت میں کوئی فرق نہیں ہوا۔

انھوں نے جس چیز سے دوسروں کو روکا، اس سے پوری شدت کے ساتھ خود پرہیز کیا، جس چیز کا دوسروں کو حکم دیا، اس پر خود پوری قوت وعزیمت کیساتھ عمل کیا، ان کی دعوت اور ان کی زندگی کی یہی مکمل مطابقت درحقیقت ان کی دعوت کی صداقت کی وہ دلیل بنی جس کو ان کے کٹر سے کٹر دشمن بھی جھٹلانے کی جرأت نہ کر سکے، اور پوری دنیا پر حکمرانی کی۔

اس کے بالکل برعکس معاملہ اہل سیاست (اور بانیان تحریک) کا ہے، اہل سیاست خدا کا دین نہیں قائم کرتے؛ بلکہ تحریک چلاتے ہیں، اگر وہ دین کا نام لیتے بھی ہیں، تو وہ دین بھی ان کی تحریک ہی کا ایک جز ہوتا ہے؛ اس وجہ سے جس وادی میں ان کی تحریک ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے ان ساری وادیوں میں ان کا دین بھی بھٹکتا پھرتا ہے، اس لیے اہل سیاست کا سارا اعتماد اپنے مقصد کی کامیابی کی راہ میں پروپیگنڈے پر ہوتا ہے،

پروپیگنڈا اور تبلیغ میں صرف انگریزی اور عربی ہی کا فرق نہیں ہے، بلکہ روح اور جوہر کا بھی فرق ہے، تبلیغ صرف اللہ کے دین کو پورا پورا پہنچا دینا ہے؛ لیکن پروپیگنڈہ کا مقصود پیش نظر تحریک کو کامیاب بنانا ہوتا ہے، یہ کامیابی جس طرح بھی حاصل ہو، اور اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان تمام اخلاقی حدود و قیود سیبا لکل آزاد ہوتا ہے، جس کی پابندی حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنے اقامت دین کے کام میں واجب سمجھی ہے، پروپیگنڈہ کے اجزاء ترکیبی پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس کے اندر جزء اکبر کی حیثیت مبالغہ کو حاصل ہوتی ہے، بات کا بتنگڑ اور رائی کا پربت بنانا اس کا ادنی کرشمہ ہے کوئی مجمع پانچ سو۰۰ کا ہوگا تو وہ اس کی بدولت اخبارات کی شاہ سرخیوں میں پانچ ہزار کا بن جاتا ہے، کسی کا استقبال دس آدمی کریں گے تو دس آدمی پروپیگنڈے کی کرشمہ سازی سے دس ہزار بن جائیں گے، کسی بستی یا شہر کے دو چار آدمی اگر کسی مسلک سیاسی کے ساتھ ذرا سی ہمدردی کا ہی اظہار کر دیں گے، تو اس مسلک کیحامی اپنے اخبارات ورسائل میں یوں ظاہر کریں گے کہ گویا وہ پورا کا پورا شہران کی تائید وحمایت میں دیوانہ وار اٹھ کھڑا ہوا ہے، اگر کسی باہر کے مسلک سے تائید و ہمدردی کا ایک کارڈ بھی آ جائے، تو پریس میں اس کی تشہیر ہوئے بغیر اس کو چین نہیں، اگر کوئی خدمت حقیقت کے ترازو میں چھٹانگ ہوگی تو پروپیگنڈے کی مشینری کا فرض ہے کہ وہ کم از کم من بھر دکھائے، جھوٹ اور مبالغہ آرائی کو موجودہ زمانے میں اہل سیاست نے اس طرح اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے کہ اب اس کے برائی ہونے کا شاید لوگوں کے اندر احساس بھی مردہ ہو گیا ہے، بلکہ اس وقت کا تقاضہ سمجھا جانے لگا اس کوچہ میں بدنام تو اکیلا غریب گوئیلو ہے (اور اس کی بدنامی بھی پروپیگنڈے کا لیکن یہ حقیقت ہے) انصاف یہ ہے کہ اس سیاست کے حمام میں سب کو گوئیلو ہی کے اسوہ کی پیروی کرنی پڑتی ہے، خواہ کوئی دنیا کا نام لیتا ہوا اس میں داخل ہو یا دین کا کلمہ پڑھتا ہوا۔

اس جھوٹ اور مبالغہ کا ہی ایک پہلو یہ ہے کہ اپنے موافق کو مدح وتوصیف سے آسمان پر پہنچایا جائے، اور جس کو مخالف قرار دیا جائے اس کے خلاف اتنے جھوٹ اور اتنی

تہمتیں تراشی جائیں کہ وہ کہیں منھ دکھانے کے قابل نہ رہ جائے، اسلام میں تو مدح وذم اور تعریف وہجو دونوں کیلیے نہایت سخت حدود وقیود ہیں، لیکن سیاست میں صرف ایک ہی اصول چلتا ہے وہ یہ کہ اپنے موافق کو آسمان پر پہنچاو، اپنے مخالف کو تحت السریٰ میں گراو، اور اس مقصد کے لیے جس قسم کے جھوٹ اور جس نوع کے افتراء کی ضرورت پیش آئے اس کو بیتکلف گھڑو ! اور بالکل بے خوف ہوکر اس کو لوگوں میں پھیلاو ! صحیح اسلامی نقطہ نظر سے خو یہ یہ بات کتنی ہی بے حیائی اور بے شرمی کی سمجھی جائے ؛ لیکن اہل سیاست میں اپنی مقصد کی کامیابی کیلیے اس چیز کو ناگزیر خیال کرتے ہیں، ان کے نزدیک وہی افراد واشخاص اٹھتے ہیں جو ان کی تحریک کی گاڑی کو چلاتے ہیں، اور اسی طرح وہ اشخاص گرتے ہیں، جو ان کی تحریک کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں، یہ خفض ورفع کا فلسفہ ایک مستقل فلسفہ ہے جس کے تحت کتنے بے علم ہیں، جو مولانا، علامہ اور اونچے اونچے القاب حاصل کرتے ہیں، اور کتنے صاحب علم وتقوی ہیں جن کی پگڑیاں اچھلتی رہتی ہیں اور انہیں کم تر بے حیثیت گردانا جاتا ہے۔

ایک اور چیز جو انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کار کو عام اہل دنیا کے طریقہائے کار سے نمایاں کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ ان کی تمام جدوجہد میں مطلوب ومقصود کی حیثیت صرف خدا کی خوشنودی اور آخرت کی کامیابی ہوتی ہے، اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کے جدوجہد کی کامیابی سے اللہ کے دین کو اور دین کے سارے کام کرنے والوں کو دنیا میں غلبہ اور تفوق حاصل ہوتا ہے لیکن وہ اس بات کی دعوت کبھی نہیں دیتے کہ آو حکومت الہیہ قائم کرو یا اقتدار حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرو (جماعت کو بڑھاو) بلکہ صرف اللہ کے دین پر چلنے اور اس پر چلانے ہی کی دیتے ہیں ؛ اس لیے کہ آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کے لیے خدا کی دین پر چلو ! اور اس پر دوسروں کو بھی چلنے کی دعوت دینا شرط ہے۔

اس کے برعکس اہل سیاست کی ساری تگ ودو کا مقصد اقتدار کا حصول ہوتا ہے، اسی اقتدار کے حصول کے لیے اپنی تنظیم کرتیہیں اور اسی کے لیے لوگوں کو دعوت دیتے ہیں، یہ

مقصود خالص دینی مقصود ہے، پیار ومحبت کا پیغام ہے، اتحاد واخوت کا درس ہے، جو ملمع سازی کیذ ریعہ بہت بھلی معلوم ہوتی ہے، جولوگ اپنے مقصد کو اس شکل میں پیش کرتے ہیں ضروری نہیں ہے، کہ ان کی نیتوں پر شبہ کیا جائے ہوسکتا ہے کہ وہ جس اقتدار کے حصول کے لیے جدوجہد کررہے ہوں، وہ خدا کے دین کے لیے استعمال کریں، لیکن اس جدوجہد کا نصب العین بالکل تبدیل ہوجاتا ہے اور اس نصب العین کی تبدیلی کا جدوجہد کی مزاجی خصوصیات پر بڑا اثر پڑتا ہے بلکہ سچ پوچھئے تو نصب العین کی تبدیلی سارے کام ہی کو بالکل درہم برہم کرکے رکھ دیتی ہے۔

ہم جس حقیقت کی طرف اشارہ کررہے ہیں وہ اچھی طرح واضح اس طرح ہوتی ہے کہ اہل سیاست (اور اہل تحریک) جس دنیوی اقتدار کے حصول کو تمام خیر وفلاح کا ضامن سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ دین کی خدمت کا کوئی کام بھی ان کے نزدیک اس وقت انجام ہی نہیں دیا جاسکتا، جب تک یہ اقتدار نہ حاصل ہوجائے، اس اقتدار کو انبیاء علیہم السلام نے اس نصب العین کے لیے نہایت خطرناک سمجھا ہے جس کے داعی وہ خود رہے ہیں؛ چنانچہ متعدد احادیث سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو اس بات سے آگاہ فرمایا کہ : میں تمہارے لیے فقر وغربت سے نہیں ڈرتا بلکہ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دنیا کی عزت وثروت تمہیں حاصل ہوگی، اور تم اس کے انہماک میں اصل نصب العین یعنی آخرت کو بھول جاوگے، آپ ? کا ارشاد ہے : خدا کی قسم میں تمہارے لیے فقر سے نہیں ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ دنیا جس طرح تم سے پہلے والوں کے لیے کھول دی گئی تھی اسی طرح تمہارے لیے بھی کھول دی جائے گی پھر جس طرح وہ بھاگ دوڑ میں مبتلا ہوگئے اسی طرح تم بھی اس کیلیے بھاگ دوڑ میں مبتلا ہوجاوگے، پھر یہ تمہیں بھی اسی طرح ہلاک کرکے چھوڑے گی جس طرح اس نے تم سے پہلوں کو ہلاک کرکے چھوڑا اس حدیث سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جدوجہد میں اصل مطمح نظر کی حیثیت آخرت کو حاصل ہے۔

جولوگ انبیاء علیہم السلام کے طریقہ پر کام کرتے ہیں وہ اس اقتدار کو بھی خدا کی ایک بہت بڑی آزمائش سمجھتے ہیں، اوران کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جس طرح غربت اور فقر کیدور میں انھیں آخرت کیلیے کام کرنے کی توفیق حاصل ہوتی ہے اسی طرح امارت وسیاست کے دور میں بھی اس نصب العین پر قائم رہنے کی سعادت حاصل ہو، انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں اقتدار کا کوئی ادنی نشان بھی نہیں ملتا، ان کی دعوت کا مقصود لوگوں کو دنیا چھڑانا نہیں ہوتا بلکہ دنیا کو آخرت کے لیے استعمال کرنا مقصود ہوتا ہے۔

قرون اولی کی تاریخ کے اوراق الٹ کر دیکھیے کہ اخلاص ہی وہ سفینہ ہیجو مشکل اورتنگ راستوں سیانسانوں کو اپنی منزل مقصود تک پہنچاتی ہے، بڑی سی بڑی چٹانیں بھی اس کے آگے سرنیگوں اور دشمن بھی عزیز دل ہو جاتے ہیں، اور جو کام اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اخلاص سے انجام دیا جائے، اسے کبھی ناکام نہیں کیا جا سکتا۔

(مولانا عتیق الرحمان صاحب سنبھلی مع اضافہ ترتیب)

یہ مضمون راقم نے ندوۃ العلماء کے ایک طالب کے لیید یواری پرچہ میں لگانے کے لیے لکھا تھا۔

انسان کی کامیابی و بربادی کے اسباب

انسان بڑھتے جا رہے ہیں پر انسانیت ختم ہوتی جا رہی ہے، تنظیمیں وتحریکیں دن بدن وجود میں آتی جا رہی ہیں ؛لیکن اتحاد واصلاح اور حقوق گم گشتہ خزانہ بنتے جا رہے ہیں، مدارس، مکاتب کی کثرت ہوتی جا رہی ہے، پر علم کا نام ونشاں مٹتا جا رہا ہے، مساجد عالی شان تعمیر ہوتی جا رہی ہے،لیکن خشوع وخضوع کی کیفیت رخصت ہوتی جا رہی ہے۔

آج نفرتیں ہیں،عداوتیں ہیں، بغض ہیں، ذرا ذرا سی باتوں میں انسان اپنی انسانیت بھول جاتا ہے، ایک دوسرے کا خون کا پیاسا ہوجاتا ہے، گھر اجڑ جاتے ہیں، خونی رشتے ہمیشہ کے لیے جدا ہوجاتے ہیں، ایک بڑا گھر بھی دو بھائیوں کے لیے تنگ ہو جاتا ہے بلکہ اس کو پوری کائنات کی زمین کشادگی کے باوجود تنگ نظر آتی ہے، وہ اپنی زندگی کو جہنم بنا لیتے ہیں، ان کا جینا اجیرن ہوجاتا ہے، ایسا کیوں؟ کوئی تو سبب ہے خزاں کے حالات آنے کا؟ جو ہمیں بربادی کے دہانے پر لے جا رہی ہے؟ کوئی بھی عذاب آسمان سے نہیں اترتا، زمین پھٹ کر نہیں نکلتا، بلکہ اپنے بداعمالیوں کے سبب ہوتا ہے۔

اس کا سب سے بڑا سبب تکبر اور مال ودولت کی ہوس ہے، ہم پیسوں کے پجاری بنے ہوئے ہیں، ہم جھوٹی عزتوں کے پیچھے بھاگے، ہم سود اور رشوت کے پیچھے بھاگے، ہم ظلم کے پیچھے بھاگے، ہم نے اپنے نبی کے دین کو بیچ کر رکھ دیا ہے، دین کو فرقہ واریت کی آگ میں ڈھکیل دیا ہے، آج اسلام کے نام پر آگ ہے، نفرتیں ہیں، عداوتیں ہیں، یہ کیا ہے؟ یہ کیا ہے؟

دین کو زندہ کرو، ماوں کو عزت دو، باپ کو وقار دو، بیٹیوں اور بیواوں کے سر پے چادر ڈالو ! قاضی عدل کرے گا، بادشاہ رحم دل ہوگا، راتوں کو اٹھ کر رعایہ کی خبر لے گا، نوجوان خوددار وغیرت مند ہوں گے، بچیاں اور عورتیں حیادار، پاکدامن ہوں گی، تاجر امانت دار ہوں گے، زمین دار رحم دل ہوں گے، غریب خوددار بے نیاز ہوں گے، بازار سچائی سے

روشن ہوں گے، تجارتیں دیانت سے جگمگائیں گی، عدالتوں میں ظلم کا کوئی اندھیرا نہ ہوگا، ایوان شاہی میں تکبر کا کوئی گزر نہ ہوگا، امیر وغریب میں کوئی فرق نہ ہوگا، بھائی بھائی میں محبتیں ہوں گی، جھوپڑ پتی ومحلات کو ایک نظر سے دیکھا جائے گا، سب کی بیٹی سب کی بیٹی ہوگی، سب کی ماں سب کے لیے ماں ہوگی، رات کے اندھیرے میں چلنے والی عورتوں کو عزت لٹنے کا کوئی ڈر نہ ہوگا، گھر، کارخانیں، دوکانیں چوروڈکیت سے محفوظ ہوں گی، ظالم کے ظلم سے، ڈاکوؤں کے رہزنی سے ہم سب مامون ہوں گے۔

نرم کالین، کھلے صحرا، بھرے بینکوں میں زندگی گزارنے والوں کی اسلامی اخوت وحمیت کہاں کھوگئی کہ اسلام کی مقدس تعلیمات کو سیکھیں، سکھائیں، خود عمل کریں، اور دوسروں کو عمل کرنے کی دعوت دیں، انسان کی سوچ اوراس کی عقل کو کیا کہنا کہ مال ودولت کی ترقی کو دنیا کی کامیابی سمجھ لیا ہے حالاں کہ دنیا کی کامیابی قلب کی راحت وسکون ہے جواس راہ میں گم ہوکر رہگئی ہے، حالاں کہ سچ ہے کہ دین سے دنیا بھی بنتی ہے اورآخرت کا کیا پوچھنا، جب بھی کوئی چیز اپنے مقصد سے ہٹتی ہے وہ ذلیل ورسوا ہوتی ہے، در در کی ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے، اس لیے انسان کو اپنے مقصد حیات کو سمجھنا چاہیے، اورآخرت کو اپنا نصب العین بنانا چاہیے۔

نہ کر دین کا سودا دنیا کی ہوس کر کے
راضی کر خدا کو دین کے شیدائی بن کے
زمانہ تری قدر کرے گا سر بہ سجود ہو کر
کامیابی وکامرانی ترے قدم چومے گی فلاح بن کر

دارالعلوم کا علمی و عملی کردار

دارالعلوم دیوبند کوئی مذہب، کوئی تحریک، کوئی تنظیم، کوئی جماعت کا نام نہیں بلکہ ما انا علیہ واصحابی کی صحیح پہچان ہے، ہمارے نبی کی سچی تصویر ہے، دارالعلوم کی شہرت صرف اس وجہ سے نہیں کہ یہاں علم و تحقیق کے دریا بہائے گئے ہیں، باطل سے ہر وقت نبرد آزما رہے ہیں، ہر موڑ پے دین کا پرچم لہرایا ہے، بلکہ دارالعلوم کی شہرت زہد و تقوی، تواضع وانکساری کا عملی پیکر ہونے کی وجہ سے ہے، ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی، رحم دلی، امداد کے لیے ہمہ وقت تیار رہیں، قوم کی خدمت، عربیوں کی مدد، یتیموں کے سروں پے ہاتھ پھیرنا ان کا اولین مقصد ہے، تواضع، انکساری، خاکساری، عاجزی، ان کی شان ہے، دین کی نشر واشاعت، سنتوں کا زندہ کرنا، بدعت کا قلع قمع کرنا ان کے نزدیک دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

دارالعلوم نے نہ جانے کتنے انسانوں کو جو گمراہی کے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے، راہ راست پر لگایا، بھٹکے ہوئے انسانوں کو سیدھی راہ دکھلائی، نفرت، بغض، عداوت، قتل وغارت گری میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو پیار و محبت کا سبق پڑھایا، دارالعلوم کا پیغام رحمت بن کر آیا ہے، رحمت بن کر چھایا ہے۔

دارالعلوم کو چلانیوالی کوئی غیبی طاقت ہے، اس کا محافظ ونگہبان کوئی اور ہے جو اس کے نظام کو چلا رہا ہے، دارالعلوم پر کتنے خطرات ومصائب آئے سب ہوا بن کر گزر گئے، کتنے باطل فرقوں نے اس کے خلاف آوازیں اٹھائیں، اس کی دیواروں سے ٹکرا کر دب گئیں، نہ جانے کتنی سازشیں رچی گئیں لیکن سب کی سب ناکام ہوئیں، وہ بھول گئے کہ اس کی باگ دوڑ ایسی ذات کے ہاتھ میں ہے جس کے قبضہء قدرت میں ساری کائنات ہے، یہ محض ایک تہمت ہے کہ فلاں مہتمم ہے، فلاں کا ہاتھ ہے، کوئی بھی نہ ہو دارالعلوم اپنا کام کرتا رہے گا، سب اپنا ہاتھ کھینچ لیں تب بھی دارالعلوم یوں ہی رواں دواں رہے گا۔

کارِ زلف تست مسک انسانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے برآہوئے تو بستہ اند

فارسی کا شاعر محبوب سیخطاب کر کے کہتا ہے اور حقیقی محبوب حق تعالیٰ ہیں، کہ تیری زلفوں کا اثر ہے کہ مشک میں سیاہی اور خوشبو بھی پیدا ہوگی، تہمت کیطور پر نام رکھ دیا گیا ہے، مشک ہرن کے اند پیدا ہوتا ہے، ہرن بے چاری کیا مجال کہ مشک پیدا کرے، اللہ یہ تیرا کام ہے ہرن کا کام نہیں، دارالعلوم کی باگ ڈور اللہ کے ہاتھ میں ہے، محض نام ہے فلاں کا۔

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں بلبلیں
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

دارالعلوم کی بنیاد ایسیوقت میں رکھی گئی جب ہندوستان تیرہویں صدی ہجری کی آخری سانس لے رہا تھا، ہندوستان میں اسلامی شوکت کا چراغ گل ہو چکا تھا، صرف اٹھتا ہوا دھواں رہ گیا تھا جو چراغ بجھ جانے کا اعلان کر رہا تھا، دہلی کا تخت مغل اقتدار سے خالی ہو چکا تھا، صرف ڈھولی کے مناری میں ملک بادشاہ رہ گیا تھا، اسلامی شعائر رفتہ رفتہ رو بہ زوال تھے، دینی علم وتعلیم گاہیں پشت پناہی ختم ہوجانے کی وجہ سے ختم ہورہی تھیں، علمی خانوادوں کو بیخ وبن سے اکھاڑنے کا فیصلہ ہو چکا تھا، دینی شعور رخصت ہو رہا تھا، اور جہل وضلال مسلم قلوب پر چھایا جا رہا تھا، مسلمانوں میں سنتوں کیبجائے جاہلانہ رسوم ورواج، شرک وبدعت اور ہوا پرستی وغیرہ زور پکڑتے جا رہے تھے، مشرقی روشنی سمٹتی جا رہی تھی، اور مغربی تہذیب وتمدن کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا، جس سے دہریت، الحاد، فطرت پرستی اور بے قیدی، نفس آزادی فکر اور بے باکی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں، جس سے نگاہیں خیرہ ہو چکی تھی، اور اتنی دھندلی کہ اسلامی خدوخال کا پہچاننا بھی مشکل ہو چکا تھا، چمن اسلام میں خزاں کا دور دورہ تھا، خوش آزاز اور شیریں ادا پرندوں کے زمرح مدھم ہوتے جا رہے تھے، اور ان کی جگہ زاغ وزغن کی مکروہ آوازوں نے لے لی تھی، جن سے اس وقت کے ہندوستان کی مسموم رضا کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں۔ (پچاس مثالی

شخصیات از قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

ایسے حالات و ماحول میں اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دارالعلوم کا قیام، غیبی طاقت، فضل ربانی کے سوا کچھ نہیں، جسے اسلام کے باصفا و جان باز مرد مجاہد حضرت مولانا عابد حسین صاحبؒ، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب عثمانیؒ، پیر وطریقت عارف باللہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ، حضرت مولانا فضل الرحمان صاحبؒ، حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے اپنے خون سے سینچا ہے، جہاں آج بھی وہاں کے در و دیوار، خاک و ذرات سے انفاس قدسیہ کی خوشبو پھوٹ رہی ہے۔

دارالعلوم کی تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ و نسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں اور دل و ماغ کے لحاظ سے اسلامی ہوں، اعمال و کردار کے لحاظ سے صحابہ کے نقشِ قدم پر ہوں، جن میں اسلامی تہذیب و تمدن کے جذبات بیدار ہوں، اور دین و سیاست کے لحاظ سے ان میں اسلامی شعور و فاروقی رنگ زندہ ہو۔

دارالعلوم دیناً مسلم، فرقہ اہل سنت والجماعت مذہباً حنفی، مشرباً صوفی، کلاماً اشعری، سلوکاً چشتی، بلکہ جامع سلاسل فکراً ولی اللہی، اصولاً قاسمی، فروعاً رشیدی، اور نسبتاً دیوبندی ہے۔

علماء دیوبند کا یہ محض نظری مسلک نہیں بلکہ عملی طور پر ایک مستقل دعوت بھی ہے، جو آج سے سو برس پہلے سے دی گئی، اور آج سو برس کے بعد بھی دی جارہی ہے، اور وہ جس طرح اس وقت کارآمد تھی، اسی طرح آج بھی کارآمد ہے، البتہ رنگ اس کا تعلیمی ہے، پھیلاو تبلیغی ہے، جماو معاشرتی ہے، بچاو افتائی و قضائی ہے، جڑھاو ریاضت و سرگری ہے، ضبط نفس تربیتی ہے، مداومت مجاہداتی ہے، اور دعوت بین الاقوامی ہے، علماء دیوبند کا یہی وہ جامع مسلک اور طریق عمل ہے، جس سے اس جماعت کا مزاج جامع بنا اور اس میں جامعیت کے ساتھ اعتدال قائم ہوا، اس لیے چند بندھے جڑے مسائل یا خاص خاص

فنون یا عملی گوشوں کو لیکر ان میں جمود اختیار کر لینا اور اسی میں اسلام کو منحصر کر دینا، یا اسی کو پورا اسلام سمجھ لینا اس کا مسلک نہیں۔

دارالعلوم دیوبند کی تابناک تاریخ پر نظر رکھنے والے کسی آدمی سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ یہاں کے طلبہ اپنے اساتذہ سے محض علم ومعلومات ہی حاصل نہیں کرتے تھے؛ بلکہ اس کیساتھ ساتھ اخلاص واحتساب، ورع وتقوی، زہد وصلاح، جذبہ اصلاح، دین کی تڑپ، دعوت وپیغام محمدی کا درد، مسلمانوں کی حالت زار کا غم، اسلام کے حوض صافی کو گدلا کرنے کی کوشش سوچنیوالے کے خلاف ننگی تلواریں بن جائے گا حوصلہ اور ساری توانائیوں، صلاحیتوں اور حاصل شدہ وسائل کو خدمت اسلام کے لیے وقف کر دینے کی عزیمت کا باڑہ تیز وتند پی کر مست بھی ہو جایا کرتے تھے۔

یہاں کا کوئی فارغ محض حامل علم، یا خشک عالم، یا بے نتیجہ رسمی سند یافتہ اور دراہم معدودہ کی علمی وفکری بینا کاری یا ظاہری لیاقت کو مرکوز کر دینے کی کبھی نہیں سوچتا؛ کیوں کہ دارالعلوم کسی کو ایسا سبق نہیں پڑھاتا۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگ داماں بھی ہے

(اقبال)

(یہ مضمون ماہنامہ دارالعلوم کے لیے لکھا تھا)

(اثر خامہ)

زمانہ کروٹیں بدلتا رہتا ہے

راستے کٹتے گئے عزم سفر کے سامنے
منزلیں ہی منزلیں اب نظر کے سامنے

زمانے کی گردشیں پیہم رواں دواں ہیں، بچپنے سے جوانی، جوانی سے بڑھاپا، بڑھاپے کے بعد موت، زمانہ کروٹیں بدلتا رہتا ہے، ماضی سے حال، حال سے مستقبل، مالداری سے تنگ دستی، تنگ دستی سے سرمایہ داری اس کی عین فطرت ہے، نشیب وفرازی، اتار چڑھاو، خوشی وغمی، اس کا مزاق ہے، بعض عداوتیں، دشمنی ودوستی، بیماری شفایابی اس کا کھیل ہے، خیانت، رہزنی اس کا پیشہ ہے، لیکن ان تمام برائیوں کے باوجود، زمانہ کو برا بھلا مت کہو! بلکہ یہ اپنے بداعمالیوں کا ثمرہ ہے، زمانہ کسی کیساتھ برائی کا معاملہ نہیں کرتا؛ بلکہ لوگوں نے اپنی زندگی کو خواہشات کے دلدل میں ڈال کر زندگی کو اجیرن بنالیا ہے۔

حالاں کہ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ زمانہ کو اپنے قابو میں بنا کر رکھتے، زمانہ تمہارے پیچھے چلتا، ہر موڑ، ہر رخ پر آپ کا ساتھ دیتا، لیکن آج لوگ زمانہ کے پیچھے چل رہے ہیں، اور زمانہ برق رفتاری کے ساتھ چلا جارہا ہے، اسی لیے ہر شخص پریشان وتنگ دامن ہے، در در کی ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہے، ذلت ورسوائی کے دلدل میں ڈوبا ہوا ہے۔

پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک یلغار ہے، اس کی صفوں کو تتر بتر کرنے کی کوشش کی جاری ہیں، کہیں دہشت گردی کینام پے، کہیں ریزرویشن کے عنوان سے، تو کہیں مذہب کینام پر، دن بدن ہر روز ایک نہ ایک سازشیں رچی جارہی ہیں، لیکن سب ناکام ہوتی ہیں؛ کیوں کہ انہیں معلوم نہیں کہ اسلام کی پاسبانی کی رسی ایسی ذات کے قبضہ قدرت میں ہے جو تمام کائنات کے ذرے ذرے کا مالک وخالق ہے، حالات کا بگڑنا اس کی حکمت ہے، حالات کا سنورنا اس کی رحمت ہے۔

کوئی بھی چیز ایک حالت پر نہیں رہتی، ہر نئی چیز پرانی ہونی ہے، ہر زندگی کو موت آنی

ہے، ہر رفاقت کو جدائی میں تبدیل ہونا ہے؛ کیوں کہ قدرت کا قانون ہے **وتلک الایام نداولھا بین الناس** زمانہ گردشیں کرتا رہتا ہے، کروٹیں بدلتا رہتا ہے، غمی وخوشی، اتار وچڑھاو کا پیغام دیتا رہتا ہے، یہ ایک لمحہ کے لیے ٹھہرتا نہیں، حالات بدلتے رہتے ہیں، اگر صبح ہے تو شام ہونی ہے، گرمی ہے تو سردی آنی ہے، بھوک لگی ہے تو کھانا مل کر رہے گا، پیاس لگی ہے تو پانی مل کر رہے گا، درد کے بعد راحت مل جاتی ہے، بیماری کے بعد شفایابی آجاتی ہے، اجڑے دریا سنور اور آباد ہوجاتے ہیں، پرانے محلات کو از سرے نو تعمیر کیا جاتا ہے یہ سب کیوں؟ اس لیے کہ زمانہ کروٹیں بدلتا رہتا ہے، انسان کو مایوس نہیں ہونا چاہیے، چلتے چلتے مسافر کو راستہ مل ہی جاتا ہے، ٹھوکریں کھانے کے بعد ہی تجربہ حاصل ہوتا ہے، محنت ہر بند دروازے کو کھول دیتی ہے، ہر کوشش کبھی نہ کبھی کامیاب ہوجاتی ہے، ہر جفاکشی وفا کا ثبوت دیتی ہے۔

آپ اللہ کے ہوجاتے اللہ آپ کا ہوجائے گا، آپ اللہ کے لیے کام کیجئے اللہ آپ کا کام کرے گا، آپ اپنی فکر کو دین وآخرت کی فکر بنا لیجیے اللہ آپ کی تمام فکروں کو اپنی فکر بنالے گا، اور بیحساب دین اور دنیا کی نعمتوں سے نوازے گا۔

زندگی ایک کھیل ہے اس سے جتنا کھیلو گے اتنا ہی ہارو گے، اس سے جتنا دل لگاو گے اتنا ہی دل دکھے گا، اس سے جتنی امیدیں وابستہ رکھو گے وہ اتنا ہی تم کو غم فراہم کرے گا۔

(یہ مضمون جامعہ ملیہ کے ایک طالب کے لیے لکھا تھا جس کو انہیں کسی موقع پر لکچر دینا تھا)

مرد مجاہد کی پہچان

انقلاب یا ارتقاء ہمیشہ قوت و جفاکشی ہی کے ذریعے رونما ہوا ہے، ہوتا ہے اور قوت ڈھل جانے کا نام نہیں، ڈھال دینے کا نام ہے، مڑ جانے کو قوت نہیں کہتے، موڑ دینے کو کہتے ہیں۔

دنیا میں کبھی بھی کاہلو بزدلوں نے کوئی انقلاب پیدا نہیں کیا، جو لوگ اپنا کوئی اصول، کوئی مقصد حیات، کوئی نصیب العین نہ رکھتے ہوں، جو بلند مقصد کے لیے قربانی دینے کا حوصلہ نہ رکھتے ہوں، جو خطرات و مشکلات کے مقابلہ کی ہمت نہ رکھتے ہوں، جن کو دنیا میں محض آسائش اور سہولت ہی مطلوب ہو، جو ہر سانچے میں ڈھل جانے اور ہر دباو سے دب جانے والے ہوں، ایسے لوگ دین و دنیا کہیں بھی ترقی نہیں کرتے، ایسے لوگوں کا کوئی بھی ذکر کارنامہ انسانی تاریخ میں نہیں پایا جاتا۔

تاریخ بنانا صرف بہادر، وجفاکش لوگوں کا کام ہے، انہوں نے اپنی کوششوں اور اپنی قربانیوں سے دریا کا رخ پھیرا ہے، دنیا کے خیالات بدلے ہیں، مناہج عمل میں انقلاب برپا کیا ہے، زمانے کے رنگ میں رنگ جانے کے بجائے زمانے کو اپنے رنگ میں رنگ کر چھوڑا ہے۔

اگر زمانہ میں انقلاب لانا چاہتے ہو دنیا میں اپنی تاریخ مرتب کرنا چاہتے ہو، قوم وملت کے لیے کوئی کارنامہ انجام دینا چاہتے ہو، رہتی دنیا تک اپنا نام لوگوں کی زبانوں پر جاری رکھنا چاہتے ہو، تو آگے بڑھو جفاکشی اختیار کرو مرد آہن بنو اگر ترقی کرنا چاہتے ہو امت کو کچھ دینا چاہتے ہو تو راتوں کی نیند کو قربان کرو اسلامی حمیت کو پیدا کرو اسلامی شعار کو اپناو بے کار و فضول لوگوں سے دور رہو، اپنی زبانوں کو بلند رکھو، آنکھوں و کانوں کو تیز رکھو، بولو کم سنو زیادہ اختلافات سے دور رہو ! اتحاد کے قریب ہو ہر ایک کو چاہو وہ کالا ہو یا گورا غریب ہو یا مالدار کمزور ہو یا طاقتور ایک نظر سے دیکھو!

اگر دنیا میں کچھ کرنا چاہتے ہوتو اپنے آپ کو ہمہ تن متحرک رکھو ! پانی کے دھاروں کے ساتھ مت بہہ جاو، ہر ایک بات پر بھروسہ مت کرو ! کسی ایک کے دعوے پر فیصلہ مت کرو اپنا راز ہر ایک کو مت بتاو ! ہر کام سے پہلے اس کیا نجام کو سوچو ! ہر عمل سے پہلے اس کا ہدف متعین کرو ! ہر کام میں بڑوں سے مشورہ لو ! ہر کام میں میانہ روی اختیار کرو، افراط وتفریط کے شکار مت ہو ! زندگی بہت مختصر ہیاس کی قدر کرو ! وقت کو ضائع مت کرو ! ہر لمحہ تمہاری زندگی کی آخری سانس ہے، خاموش موت ہے، صبح کا سورج نکلتا ہے، کچھ پیغام لے کر آتا ہے، جب ڈوبتا ہے تو آپ کے لیے حسرت کا سبق چھوڑ جاتا ہے، صبح کی آمد صبح عید ہے، رات کی آمد حساب وقت ہے، اگر جینا چاہتے ہوتو اس طرح جیو کہ لوگ تمارے نقش قدم پر چلیں، مرو تو اس طرح جاو کہ لوگ تمہارا ذکر خیر کرتے رہیں، ہر نام سے پہلے تمہارا نام ہو، ہر کام سے پہلے تمہارا کام ہو، ہر قدم سے پہلے تمہارا نشان قدم ہو، ہر فکر سے پہلے تمہارا فکر ہو، خاک وذرے بھی تمہاری عزت کریں، شجر وحجر تمہیں سلام کریں، بحر وبر کے مخلوقات بھی تمہارے لیے دعا گو ہوں، آسمان کے فرشتے بھی تمہارے دیدار کے لیے ترسیں، دنیا کے ہر خاک وذرات میں تمہارا نام کندہو۔

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی
الٰہی کیا بھرا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو ارادت ہوتو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
تمنا درد دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

اثر خامہ

وقت کی اہمیت

وقت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس کی قدر وعظمت وہی سمجھ سکتا ہے، جس کو اللہ نے توفیق دی ہے، اور جسے اللہ نے راندہ ءدرگاہ کر دیا وہ وقت کی قیمت نہیں جانتا، جس نے بھی وقت کی اہمیت اوراس کی قیمت کو جانا اس نے ہر جگہ ترقی کی، قوم وملت کا نام روشن کیا، دین کو بھی دنیا کو بھی۔

وقت سے زیادہ قیمتی کوئی چیز نہیں، کتنے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنا سرمایا وقت کی قدر کو بنایا، کتنے ایسے اشخاص ہیں جنہوں نے اپنی ساری دولت وقت کے آگے قربان کر دی، کتنے ایسے افراد ہیں جنہوں نے وقت کے خاطر ہر چیز سے منھ موڑا، اپنے راستے ہموار کیے، دین ودنیا دونوں جگہ ترقی کی، کتنے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے وقت کی حفاظت کیلیے اپنے سونے، کھانے، پہننے کو بھول گئے۔

وقت کی اہمیت کا اندازہ امام محمدؒ کے طرز ہائے زندگی سے لگا سکتے ہیں جنہوں نے امت کی خاطر راتوں کو سونا چھوڑ دیا، امام شافعیؒ کی زندگی کو پڑھیے کہ وقت کیضائع ہونے کے ڈر سے کھانا تو اپنے ہاتھ سے نہیں کھاتے تھے، ان کی بہن ان کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتی تھیں، امام ابوحنیفہؒ نے امت کی خاطر راتوں کو سونا چھوڑ دیا تھا۔

وقت کی قدر کرو ! دین ودنیا دونوں میں ترقی نصیب ہوگی، کیوں کہ وقت ہی ایسی دولت جس سے دنیا کی ساری دولت خریدی جاسکتی ہے، ہر چیز اپنے قبضہ میں لی جاسکتی ہے، ہر جگہ عزت بنائی جاسکتی ہے، ہر ایک کے دل میں اپنی جگہ بنائی جاسکتی ہے، وقت ہی ایسی دولت ہے جس سے قوم وملت ترقی کرتی ہے، خدا بھی راضی ہوتا ہے اور بندہ بھی، وقت ایک تلوار کے مانند ہے جتنا اس کو کاٹو گے اتنا ہی وہ تمہیں کاٹ دے گی، وقت کی قدر کرنے والے کبھی ضائع نہیں ہوتے، وقت کی قدر کرنیوالے کبھی زمانہ کیحالات کا شکوہ نہیں کرتے، وقت کی اہمیت کا اندازہ اس وقت ہوگا جب آپ اپنی زندگی کی ساری

خواہشات پوری کر چکے ہوں گے اور جوانی ڈھلنے کے قریب ہوگی، اس وقت آپ کی اولاد بھی آپ سے محبت نہیں کرے گی، شریک حیات بھی آپ سے نفرت کرے گی، آپ روئے زمین پر بار گراں بن کر زندگی گزاریں گے کوئی بھی آپ کا پرسانِ حال نہ ہوگا، دنیا کشادگی کے باوجود تنگ نظر آئے گی، فضا بھی ناخوش گوار محسوس ہوگی، اپنی زندگی اجیرن محسوس ہوگی۔

وقت کی قدر کرنیوالے قوم وملت کی پہچان ہوتے ہیں، وقت کی ہی حفاظت سے انسان ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے، وقت ہی انسان کی ترقی وتنزلی کا سبب بنتا ہے، وقت کی حفاظت نہ کرنیوالے ہر جگہ تنگ دامن نظر آتے ہیں، ہر جگہ رسوائی کا سامنا کرتے ہیں، دین ودنیا دونوں ضائع ہوتے ہیں، وقت ایسا سرمایا ہے جس سے دنیا کی ہر دولت خریدی جاسکتی ہے، ہر ایک کے دل کو جیتا جاسکتا ہے، ہر ایک کے کام آیا جاسکتا ہے ہر ایک کو اپنا بنایا جاسکتا ہے۔

انسان کی ہر ایک سانس موت ہے اس سے دوبارہ زندہ نہیں ہونا، گیا وقت کبھی ہاتھ نہیں آتا، جوانی بھی کبھی لوٹ کر نہیں آسکتی، گزرے ہوئے لمحات کبھی واپس نہیں آتے۔

کام کا وقت جوانی وصحت مندی کا، فرصت کا زمانہ بار بار نہیں آتا، مشغولیت کا زمانہ آپ کو کچھ کرنے نہ دیگا، بیماری ومصروفیات آپ کا دامن نہ چھوڑیں گی۔

وقت کی قدر کیجیے خوشی میسر نصیب ہوگی، سکون قلب ملے گا، ہر قدم پے آپ کی رہنمائی ہوگی، ہر ایک محفل میں پزیرائی ہوگی، زمانہ آپ کے تابع ہوگا، ہوا آپ کے رخ پر چلے گی، گرمی وسردی، برسات آپ کو روک نہیں سکتی، صبح وشام کی آمد ورفت آپکو ہلا نہیں سکتی، چاند وسورج کی کرنیں آپ کو بے چین نہیں کرسکتی، لوگوں کی طعن وتشنیع آپکے قدم کو روک نہیں سکتی، اللہ آپ کا محافظ ہوگا، فرشتے آپ کے لیے دعا گو ہوں گے، اور تمام مخلوق کی دعا شامل حال ہوگی۔

اثر خامہ

(یہ مضمون دارالعلوم دیوبند کے ایک طالب علم کی فرمائش پر لکھا تھا)

عدل

کیا قیامت ہے کہ اس دور ترقی میں جگر
آدمی سے آدمی کا حق ادا ہوتا نہیں

عدل اللہ کی صفت ہے جو اس صفت کو اپنائے گا ہر جگہ ترقی پائے گا، جو اس صفت سے کنارہ کشی اختیار کرے گا ہر جگہ ذلت اٹھائے گا۔

عدل سے ہی ماحول بنتا ہے، خوشیاں آتی ہیں، نفرتیں ختم ہوتی ہیں، پیار ومحبت بڑھتا ہے، ملک وقوم ترقی کرتے ہیں۔

جہاں عدل ہوگا وہاں بہاریں ہوں گی، جہاں عدل ہوگا وہاں خزاں نہیں آتیہیں، جہاں عدل ہوگا وہاں سکون ہو گا، جہاں عدل ہوگا وہاں انصاف ہوگا، جہاں عدل ہوگا وہاں ماں بہنوں کی عزت ہوگی، جہاں عدل ہوگا وہاں بازار سچائیوں سے لبریز ہوں گے، تجارتیں فروغ پائیں گی، جہاں عدل ہوگا وہاں برکتیں ہوں گی، جہاں عدل ہوگا وہاں خوشیاں ورونق بہار آئیں گی، جہاں عدل ہوگا وہاں ایوان خانوں میں ہر ایک کا گزر ہوگا، جہاں عدل ہوگا وہاں چھوٹے بڑوں کی عزت کی جائے گی، جہاں عدل نہ ہوگا وہاں نفرتیں، عداوتیں ہوں گی، ناانصافیاں ہوں گی، خیانتیں ہوں گی، ہر ایک دوسرے کا دشمن ہوگا، رحمتیں وبرکتیں اٹھالیں جائیں گی، جہاں عدل نہ ہوگا وہاں خزاں ہو گا، وہاں چمن کا گزر نہ ہوگا۔

عدل وانصاف کو اللہ نے کسی کے ساتھ مخصوص نہیں کیا، وہ تو آسمانوں سے برسنے والے پانی کی طرح بے رنگ ہوتا ہے، جب مسلمان انصاف کرتا ہے تو اس کی نسبت سے کہا جائے گا، کہ مسلمان منصف ہے، اگر کوئی ہندو کرتا ہے تو اس کیبھی متعلق کہا جاتا ہے کہ ہندو منصف ہے ہر ایک اپنا اجر پاتا ہے، اس سلسلے میں خدا کا خزانہ ہر ایک کیلیے وسیع ہے؛ کیوں کہ خدا کو خوش کرنے والی دولت ہی عدل وانصاف ہے، نیا میں جو اس وقت

بگاڑ آیا ہے وہ انصاف واحسان کے صحیح ناپ تول نہ ہونے کی وجہ سے آیا ہے، دنیا کی ساری چیزوں میں پھنس کر اپنی عقبیٰ بھول گئے جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے، ہر ایک نے دولت کے پیچھے بھاگ کے اللہ کو نظر انداز کر دیا، جس نے اپنی تمام مخلوق کو عدل وانصاف کرنے کا حکم دیا تھا۔

حکومت کرنے والوں، سیاست کرنے والوں، دانشوروں، عالموں شاعروں، فلسفیوں، مفکروں اور ادیبوں کو منصف ہونا چاہیے تھا، امریکہ میں انصاف ہوتا، تو اسرائیل کا خنجر عربوں کے سینے میں نہ گھونپا جاتا، برطانیہ میں انصاف ہوتا تو سو برس ہمیں غلام نہ رہنا پڑتا، ہماری جائدادیں تباہ ہماری صنعت مفلوج نہ ہوتی، اور ہمارے سر پر آرے نہ چلائے جاتے، نوآبادیاں نظام دنیا میں قائم نہ ہوتا، اور اگر آج ہمارے ملک میں انصاف ہوتا تو فسادات نہ ہوتے، شکایتیں نہ ہوتیں، مقدمات عدالتوں میں نہ جائے، اسٹرائکیں اور مظاہرے نہ ہوتے، جب انصاف تھا تو شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے تھے۔

یہی ہمارا پیام ہے، اس کو بخوشی عبادات سمجھ کر، مذہب کا جوہر سمجھ کر، اس کی روح سمجھ کر کیا جائے، ہمیں اس کی کوئی سیاسی ضرورت نہیں، یہ خالص روحانی، اخلاقی، انسانی ربانی، اور خدا پرستی کی مہم ہے، ہم مسلمانوں سے کہتے ہیں، سچے مذہبی مسلمان بنو، تم نمازیں قائم کرو، ہم نے جو کچھ کہا ہے یہ ہمیں نمازوں نے سکھایا ہے، قرآن نے بتایا ہے، ہم آپ سے بھی کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا بغور مطالعہ کرو ! نمازیں جاندار بناو، آپس میں محبت واتحاد پیدا کرو ! اس کے ساتھ ساتھ انصاف اور احسان سب کیساتھ عام ہو ! ایک شریف شہری، ایک خادم خلق کی حیثیت سے تمہیں دنیا میں رہنا اور نفع پہنچانا چاہیے، تمہارا فیض عام ہو، تم جس جگہ رہو وہاں رحمت کے فرشتے سمجھے جاو، اس جگہ کو چھوڑ کر جانا چاہو تو لوگ تمہیں جانے نہ دیں۔

عدل وانصاف فقط حشر پر موقوف نہیں
زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے
(ذوق)

عدل وانصاف کے دست وبازو بنو
ہاتھ میں تھام کر اب ترازو چلو
ہجوم حشر میں کھلے گا عدل کا دفتر
ابھی تو فیصلہ تحریر ہو رہا ہے
(عبدالحمید)

اثر خامہ

مسلمان ہند کے کارنامے

آج پوری دنیا میں جس علوم وفنون کا چرچا ہے، عجائب وآثار قدیمہ کے نظارے ہیں، ان میں اکثر کی بنیاد مسلم حکمرانوں نے رکھی، تاج محل کی حسن وزینت لال قلع وقطب منارہ کی بلندیاں، جامع مسجد کی آذان، دارالعلوم دیوبند علم وعمل کا مرکز اور دیگر نقوش وآثار یہ تمام چیزیں ان عظیم مسلمانوں کی یاد تازہ کرتی ہے، جن کے خون جگر سے اس کی بنیاد رکھی گئی، ایسے علم وفن کا شجر لگایا جس کے خوشہ چین اہل یورپ بھی ہوئے، جس سائنس کو یورپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، ان سب کی ابتدائی کوششیں مسلمانوں ہی کے ذریعے انجام پائیں، اور آج سائنس اور فلسفہ جدید طبیعیات جوان کی طرف منسوب ہیں وہ سب ابوعلی سینا کی قانون وشفا امام کی رازی شارات امام غزالی کی احیاء العلوم شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ بالغہ کی ترجمان ہیں، بڑے بڑے سائنس داں نامور ماہرین طبیعات عالمگیر شہرتوں کیمالک، ماہرین فلکیات، کامیاب ترین سرجن، کیمیاء گران ہی کی خوشہ چیں ہیں، اور عبرانی زباں کے تراجم عربی زبان میں یہ بھی مامون کے حصہ میں آیا، دنیا کی زندہ جاوید کتاب انسانوں کی پیاس کا مرکز، ہر ضروری مسائل کا مرکز فتاوی ہندیہ جسے بیسوں ہند کے چنیدہ وعظیم شخصیات علماء کے قلم سے نکلی۔

الغرض ہر شی میں ہند کے مسلم حکمرانوں کے کارنامے، جنہیں تاریخ نے ضبط کیا ہے، دنیا کے کسی بھی حصہ وملک میں چلیں جائیں، آپ کو کوئی نہ کوئی جگہ ان نامگاہ روزگار لوگ اور کارساز کے کارنامیں ضرور اسلام کی صداقت، امانت ودیانت کی نشاندہی کریں گے۔

اثر خامہ

ہم نے تخریب سے خود اپنا نشیمن پھوکا ہے

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے
دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرو بیان

تاریخ انسانی کے کسی دور میں یہ نہیں ہوا کہ جانوروں، درندوں، سانپوں، اور بچھوؤں نے انسانیت پر کبھی کوئی منظّم حملہ کیا ہو، تاریخ میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ فلاں سلطنت کا زوال اس طرح ہوا اور ملک کی اینٹ سے اینٹ اس طرح بجی کی شہر کے چیتوں شیروں اور بھیڑیوں نے اس پر یلغار کی اور انسانوں کو لقمہء اجل بنالیا، اور تہذیب کا چراغ بھی گل ہوگیا، سانپ اور بچھو تو شہر کے اندر بھی ہوتے ہیں لیکن ایک گھر یا ایک خاندان کے متعلق بھی تاریخ میں لکھا ہوا نہیں ملتا کہ سانپوں اور بچھوؤں کی وجہ سے اس گھر کا صفایا ہوا ہو، محلے کا محلّہ صاف ہوگیا ہو۔

کسی ملک کو کبھی جاہل کندہء ناتراش، بے پڑھے لکھے انسانوں نے تباہ نہیں کیا، پھر اس تخریب کا ذمہ دار کون ہے؟ ہم سوچتے ہیں پرندے کیوں نہیں آتے، کنکریاں کیوں نہیں برساتے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ بندوق اٹھتی ہے گولی چلتی ہے، چلانے والے کی آواز آتی ہے، لا الہ الا اللہ گولی بدن کے آر پار ہوتی ہے مرنے والے کے منھ سے صدا آتی ہے لا الہ الا اللہ جب قاتل بھی مسلمان، مقتول بھی مسلمان، قاتل کا بھی وہی نعرا جو مقتول کا نعرا، قاتل کا بھی وہی کعبہ جو مقتول کا کعبہ، قاتل کا بھی وہی رب جو مقتول کا رب، قاتل بھی کہلائے غازی اور مقتول بھی کہلائے شہید، تو پھر پرندے کس کی مدد کیلیے آئیں قاتل کی یا مقتول کی، کنکر کس پے گرائیں قاتل پے یا مقتول پے، تخریب کار پے یا تخریب گزیدہ پے، اسی لیے پرندے نہیں آتے، کنکر نہیں برساتے۔

اور مفلسِ شہر کو دھواں سے ڈر لگتا ہے
نہ دھواں کو پھر رحمان سے ڈر لگتا ہے
اب کہاں ایثار واخوت مدینہ جیسی
اب تو مسلم کو مسلمانوں سے ڈر لگتا ہے

ہم بات کرتے ہیں افغانستان، بلوجستان، ترکستان، عراق، کشمیر، فلسطین، لاشیں، کٹے پھٹے انسان اور خون میں رنگیں تارکول کی سڑکوں کی مگر اس مختصر سے رسالے میں اپنوں کے زخم دکھانا مشکل ہے، دوسروں کی کیا بات کریں ! تخریب سے خود اپنا نشیمن بھوکا ہے، اس نشیمن کو اس ارض ہند کو دنیا کے نقش پے لانے والا قائد اپنی زندگی کی آخری سانسیں گن رہا تھا، گاڑی دیر سے پہنچانے والے کون گریباں میں جھا کیں تخریب کار ہم خود ہیں، سقوط ڈھاکہ سقوط لال قلعہ سقوط ہند۔

ایک سرزمین کو دو حصوں میں بانٹنے والے کون تھے؟ کوئی اور نہیں ہم خود ہیں، وطن کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے کوئی اور نہیں ہم خود ہیں، اپنا نشیمن تو ایک طرف خود کے گھر لال مسجد کے درو دیوار کو مسلمانوں کے خون سے رنگنے والے کون تھے، گریباں میں جھا کیں تخریب کار ہم خود ہیں، قوم کے سپوت، قوم کے نوجوان ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو پس زندان ڈالنے والے کون تھے، گریباں میں جھا کیں تخریک کار ہم خود ہیں۔

ہمیں سب خبر ہے لٹیروں کے ٹھکانوں کی
شریک جرم نہ ہوتے تو مخبری کرتے

قاتل کوئی اور نہیں، قصوار کوئی اور نہیں، تخریب کار کوئی اور نہیں، چلیے تھوڑی دیر کے لیے تصور کر لیے قاتل کوئی اور ہے قصوار کوئی اور ہے، تخریب کار کوئی اور ہے، لیکن میرا جلتا نشیمن سوال کرتا ہے خزانے خالی کون کر گیا؟ املاک کس نے نیلام کی؟ عہدے کس نے بیچے؟ ڈرم کو برملاز کے آڑ میں ملک کون لوٹتا رہا؟ پرچم کا تقدس کس نے پامال کیا؟ میسور کے سپوت ٹیپو سلطان کو انگریزوں کے حوالے کس نے کیا؟ تحریک ریشمی رومال کا پردہ

فاش کس نے کیا؟ منصب اعلی کو شہر، شہر، نگر نگر انصاف کا بھکاری کس نے بنایا؟ بڑے بڑے علماء وصلحاء حکماء وقائد کا خون کس نے بہایا؟ آئین کی دھجیاں اڑانے والے کون ہیں؟ میرا جلتا نشیمن سوال کرتا ہے تخریب کار ہم بھی ہیں، تخریب کار آپ بھی ہیں، قصووار ہم بھی ہیں، قصوار آپ بھی ہیں، تو میرا جلتا نشیمن سوال کرتا ہے کہ تو میں کس کے ہاتھمیں اپنا لہو تلاش کروں؟

تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے

قاتل کوئی اور نہیں، قصووار کوئی اور نہیں، تخریب کار کوئی اور نہیں، اپنے ہی تخریب کاریوں سے، اپنے ہی نشیمن کے جلانے کی یہ داستانیں ہیں، میں کیا رقم کروں گا، اس موضوع پر اگر لکھنا یا بات کرنا ہی ہے، اے کاش ایک دعوت نامہ ان بوڑھے باپ کے نام بھی لکھدیتے جس کے سامنے اس کا جوان بیٹا موت کی گھاٹ اتار دیا گیا، اے کاش ایک دعوت نامہ اس جوان عورت کے نام لکھ دیتے جس کیسامنے اس کے سہاگ کو اجاڑ دیا گیا، اے کاش آپ ایک دعوت نامہ ان ننھے منے بچوں کو بھیجتے جو خوشیوں کے دنوں میں اپنے باپ کے منتظر تھے کہ کھلونے ومٹھائیاں کب لائیں گے، اے کاش ایک دعوت نامہ ان معصوم بچوں کو بھیج دیتے جو ملبے تلے اپنی کرسیاں وکتابیں تلاش کرتے ہیں ! وہ یہاں آتے نالہ وشکوہ بلند کرتے وہ بتاتے تخریب کار کوئی اور نہیں معصوم بچیاں اپنے آنکھوں میں آنسو لے کر آتیں اور پکار پکار کر کہتیں تخریب کار کوئی اور نہیں۔

کہاں ہے ارض وسما کا مالک کہ چاہتوں کے رگیں خریدنے ہوس کی سرخی روح بشر کا حسین غازی بنی ہوئی ہے۔

ارے کوئی مسیحا ادھر بھی دیکھے
کوئی تو چارا گری کے لیے اترے
افق کا چہرا لہو میں تر ہے
زمین جنازہ بنی ہوئی ہے

اگر ابھی اس ماحول میں کوئی یہ کہتا ہے کہ تخریب کار کوئی اور ہے، قصوروار کوئی اور ہے، تو میں پھر یہ کس کے نام لکھوں جو الم گزر رہے ہیں، میرے شہر جل رہے ہیں، میرے لوگ مر رہے ہیں، کوئی اور تو نہیں ہے۔

پس خنجر آزمائی ہمیں قتل کر رہے، ہمیں قتل ہو رہے ہیں، ہمیں اجڑ رہے ہیں، ہمیں اپنی نشیمن کو جلا رہے ہیں۔

اثر خامہ

یہ مضمون راقم نے خود جامعہ ملیہ کے ایک افتتاحی پروگرام بعنوان (تخریب کار کون) کے موقع پر پڑھنے کے لیے لکھا تھا۔

گردش ایام

موسموں کی تبدیلیوں کے ساتھ لوگوں کے احوال، عادات، واطوار، طور وطریق، نظر وفکر، مزاج ومنہج، بدل جاتے ہیں، ہر نئی چیز پرانی ہوجاتی ہے، پرانی چیز کا کیا کہنا۔

آج کا انسان عجیب زندگی گزار رہا ہے، ہر چیز بدل گئی اور نئی فکر ذہنوں پر غالب آ گئی، پرانی روایتوں نے دم توڑ دیا، قدیم اقدار کی عمارتیں اوندھے منھ گر گئیں، تہذیب کی دھجیاں اڑ گئیں، اور تمدن پر قبرستان کی خاموشی چھا گئی۔

زمانہ کے تغیرات بھی عجیب شی ہیں، کس سمت پر رخ کر لے پتہ نہیں، پہلے ایمان، علم وعمل کی ایسی حرارت تھی جس کے شرارے سے قیصر وقصری کے محلات بھی زمین بوس ہوگئے، ہر معرکہ آرائی میں ڈھال کی شکل اختیار کرتی تھی، ہر مصائب والم میں دوا کا کام کرتی تھی، ان ولولوں، جذبوں کا موسم ہمیشہ گرم رہتا تھا۔

لیکن آج انسان کی حیثیت اس کے مال اور دولت سے مقرر کی جاتی ہے، جس کے پاس جتنا روپیہ اس کے پاس اتنے ہی پجاری۔

آج نہ ایمان کی طاقت ہے نہ علم وعمل میں پختگی، طوفان کی طرح اٹھنے والے وہ جذبات آندھی کی طرح گزر کر غائب ہوگئے، آج مال ودولت کی فراوانی نیا یمان کی طاقت کو سرد کر دیا اور اپنا سکہ ہر ایک کے دل میں بٹھا دیا، ہر ایک رات ودن اس کیھول کیلیکوشاں رہتا ہے، اب حال یہ ہے کہ مال ودولت نے حسب ونسب کے مراتب متعین کر دیے، آو بھگت کیدروازے کھول دیے، علم وکمال کو پیچھے کر دیا، جس کے پاس جتنی دولت اتنی ہی محبوب نظر، اگر جیب خالی تو آپ بھی ہباءً منثور، سچائی، دیانت داری، علم وکمال، بلند کرداری، خوش اخلاقی، حق بیانی، نیکی اور صلاح کو اگر ترازو کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں تو مال والے ترازو کا پلڑا جھک جائے گا، آپ کا فن آپ کا علم آپ کی صلاحیت دوسرے درجہ کی چیزیں ہیں، جن کا نہ کوئی پرستار اور نہ کوئی خریدار، جب

اخلاقی گراوٹ چھا گئی، تو ہر چیز بدل گئی، ہر عیب نے ایک کا رنگ پکڑ لیا، عیب کو ہنر شمار کیا جانے لگا، ہر شخص اپنے مفاد کیلیے جینے لگا، اپنا نام ونمود کا خواہاں بن گیا، ہر ایک دوسرے کو ہیچ جاننے لگا، جسے دیکھ کر شیطان بھی شعر گو ہو گیا۔

خدایا کیا ماجرا ہے زمانہ کا
جو ہم کر سکے اسے خود انسانوں نے کر دیا

لیکن یاد رکھو، یہ مال ودولت ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے، چار دن کی خوشیاں ہیں پھر اندھیری رات کی کہانی ہے، پائیدار تو صرف ایمان وعمل ہے، تقوی وطہارت، حسن اخلاق ہے، اگر یہ ہے تو سب کچھ ہے، خدا بھی ہے، بندے بھی ہیں، چرند وپرند بھی ہیں، ارض وسماں بھی ہے ورنہ جسم بے ثمر درخت کی طرح ہے۔

منڈلاتیہوئے جب ہر جانب طوفان ہی طوفان ہوتے ہیں
دیوانے کچھ آگے بڑھتے ہیں اوردست وگریباں ہوتے ہیں
اس جہد وطلب کی دنیا میں کیا کارِ نمایاں ہوتے ہیں
ہم صرف شکایت کرتے ہیں وہ صرف پشیماں ہوتے ہیں
رندوں نیجو چھیڑا زاہد کو ساقی نے کہا کس طنز سے آج
اوروں کی عظمت کیا جانیں کم ظرف جو انسان ہوتے ہیں

(جگر)

اثر خامہ

یہ مضمون راقم نے اپنے عزیز ساتھی کے لیے لکھا تھا، جب تقدیر نے انہیں فلک سے خاک میں بٹھا دیا تھا۔

کیا ہم مسلمان نہیں؟

ہم کون ہیں؟

ہمارے متعلق ملک شام اوراس کے باغات سے پوچھو !عراق اوراس کے نخلستان سے پوچھو، مصر اوراس کی وادیوں سے پوچھو !الجزائر اوراس کے جنگلات سے پوچھو! افریقہ کے ریگستان اورایران کے سبزہ زاروں سے پوچھو!

پوچھو !روس کی برفانی چوٹیوں سے !پوچھو فرانس کے دریاوں سے !پوچھو یوگو سلاویہ اور رومانیہ کے پانیوں سے !بلکہ ربع سکون کے ہر ٹکڑے سے پوچھو !آسمان کے نیچے بسنے والی ہر مخلوق سے پوچھو !ان سب کیپاس ہماری شجاعت وبسالت، ایثار وقربانی، علوم وفنون اور عدالت وشرافت کی خبریں ہیں۔

ہمارے سوا اور کون تھا، جس نے شرافت کے باغوں کو اپنے خون سے سینچا ہو، بتاو ہمارے سوا کس نے شجاعت وبسالت کے گلستان کو مزین کیا ہے، بھلا دنیانیھم سے زیادہ کوئی شریف، نبیل، مہربان اور شفیق، اعلی اور افضل کہیں دیکھا ہے؟ ہم نیجہالت کے اندھیروں میں ہدایت کی شمع روشن کر کے لوگوں کو بتایا کہ راہ ہدایت یہ ہے۔

ہم نے اس دور میں عدل کیا جب دنیا ظلم وستم سے بھری ہوئی تھی، ہم نے اس دور میں علم پھیلایا جب دنیا جہالت میں ڈوبی ہوئی تھی، ہم نے اس دور میں لوگوں کو مساوات کا درس دیا جب لوگ شاہوں کو پوجتے تھے، ہم نیایمان سے دلوں کو، علم سے محفلوں کو، اورآزادی سے غلاموں کو معمور کر دیا، ہم نے کوفہ، بصرہ، اور بغداد بنایا، ہم نے اسپین اورشام، عراق اور مصر کو تہذیب سکھائی، ہم نے انطاکیہ، قرطبہ، دارالعلوم اوراز ہر ہند جیسی یونیورسٹیاں بنائیں، ہم نے جامع اموی اور صخرہ جیسی عبادت گاہیں، سامراء، زہرا، اور حمرا جیسے محلات بنائے، ہم نیاہل دنیا کو تعلیم دی، ہم استاد بنے اور باقی قومیں شاگرد۔

ہم میں ابوبکرؓ اور عمر فاروقؓ، نورالدین اور صلاح الدینؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، اور

اورنگ زیب عالمگیر جیسے حکمراں پیدا ہوئے، ہم میں خالدؓ، اور طارقؒ، قتیبہ بن مسلمؒ، اور محمد بن قاسمؒ، ظاہر بیبرسؒ، اور الب ارسلانؒ، جیسے جرنیل پیدا ہوئے، ہم میں امام بخاریؒ اور طبریؒ، ابن تیمیہؒ، اور ابن قیمؒ، ابن حزمؒ، اور ابن خلدونؒ جیسے عالم پیدا ہوئے، ہم میں امام غزالی اور ابن رشد، ابن سینا اور رازی جیسے فلسفی پیدا ہوئے، ہم میں ابوتمام اور متنبّی، جریر اور فرزدق ابوعتاہیہ اور معینی جیسے شاعر پیدا ہوئے، ہم میں معبد اور اسحاق، زریاب اور مالک جیسے خوش گلو پیدا ہوئے۔

ہمارے اکثر حکمراں خلافت انسانیت کی اعلیٰ مثال تھے
ہمارے تمام قائدین اور سپہ سارا اللہ کی تلوار تھے

ہم میں ہزاروں نہیں، لاکھوں نابغہء روزگار ہستیاں پیدا ہوئیں، ہماری قوت ایمان سے ہے، ہماری عزت دین سے ہے، ہمارا توکل رب پر ہے، ہمارا قانون قرآن ہے، ہمارے امام سیدالانبیا ﷺ ہیں۔

ہمارا امیرالمومنین ہمارا خادم ہے، ہمارا کمزور حق دار طاقتور ہے، اور ہمارا طاقتور غریبوں کا معاون ہے، ہم سب بھائی بھائی ہیں، اور اسلام کی رو سے برابر ہیں۔

ہم حکمران بنے تو عدل کیا فاتح بنے تو ملک بسائے ہم طاقتور انصاف پسند تھے، ہم نے جنگ میں شفقت ومہربانی کے قانون بنائے اور امن میں عدل اپنایا، ہم بہترین حکمران تھے، اور فاتحین کے سردار ہماری تہذیب سراپا رحمت تھی، وہ بدن اور روح کی پاکیزگی تھی، فضیلت اور کرامت تھی، اس سے لوگوں کو نفع ملا، اہل زمین کو سایہ ملا، ہم نے اسے خون پلایا اور شہداء کی قربانیوں پر اس کی بنیاد رکھی، بتاؤ زمین کا کون سا خطہ ہے، جہاں اسلام اور سلامتی، ایمان اور امن کی خاطر ہمارے شہداء دفن نہ ہوں۔

بھلا ہمارے سوا کوئی معاشرہ عمدہ اخلاق اور ایثار پر قائم ہوا؟ بھلا صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام کے بعد کسی خطہ ارضی میں فلاسفروں اور ریفارموں کے خواب ہائیامن وامان شرمندہ تعبیر ہوئے؟

آہ ! وہ دن کتنا ایثار آفرین تھا، جس دن خاک وخون میں تڑپتا ہوا ایک زخمی مسلمان پانی کی خواہش رکھتا تھا، جب پانی اس کے منھ کے قریب لایا گیا تو اس کو دوسرے زخمی مسلمان کے کراہنے اور پانی طلب کرنے کی آواز سنائی دی تو اس نے بغیر گھونٹ بھرے پیالہ اپنے بھائی کی طرف بھیج دیا اور خود پیاسا شہید ہوا۔

آہ! جب ایک مسلمان عورت کا باپ، بیٹا، اور خاوند جنگ احد میں شہید ہوئے تو اس نے جگر پاش پاش کر دینے والی خبر پر صبر کر کے رسول اللہ ؟ کی خیرت دریافت کی اور جب آپ ؟ کی سلامتی کی خبر ملی تو کہنے لگی، ساری مصیبتیں آسان ہوگئیں۔

آہ ! جس دن بائیس لاکھ مربع میل کا حکمران فاروق اعظمؓ خطبہ میں اپنا کوئی، آرڈینس لاگو کر رہا تھا، تو ایک عورت نے کلمہ حق کہہ کر اس سے واپس لینے کو کہا، تو انہوں نے اپنی غلطی تسلیم کر کیا آرڈینس واپس لیا، جب ہم بدن، روح، مادی اور معنوی طور پر پاکیزہ تھے، جب ہم صرف اللہ کیلیے چلتے تھے، رکتے تھے، کھڑے ہوتے تھے، بیٹھتے تھے، جاتے تھے، آتے تھے، جب ہم نے اپنی خواہشات کی پامالی کیں اور اپنے آپ کو قرآن کیتابع کیا، تو ہم انسانیت کا جوہر بننے اور ہم نے اس خواب کو شرمندہ ءتعبیر کیا جسے دانا اور روشن دماغ والے ناممکن خیال کرتے تھے۔

ہمارے کارناموں پر شاہ نامے تصنیف ہوئے لیکن ہماری رفعتیں شمار نہ ہوسکیں، بھلا کسی میں ہمت ہے کہ ان معرکوں کو لکھے جن میں ہم گھس گئے؟ کون ہے جو علوم وفنون کے سلسلے میں ہماری خدمات کا احاطہ کرے؟ بھلا کوئی ایسا حساب دان ہے جو ہمارے شیروں اور دلیروں کا شمار کر سکے؟ ہاں وہی ہے جو آسمان کے تارے گن لے اور صحراوں کی کنکریاں شمار کر سکے۔

ہم وہ نہیں جو زبان کی بنا پر قومیت کیقائل ہوں، ہم وہ بھی نہیں جو نسل کی بنا پر قومیت کی بنیاد استوار کریں، جب کہ ہم مسلمان تو سراپا خیر ہیں، ہمارا رکن ہر وہ انسان ہے جو متقی و پرہیز گار ہو، خواہ کوئی ہو کہیں رہتا ہو کوئی زبان بولتا ہو، کسی بھی رنگ کا ہو۔

ہم تقوی کی مسلک میں پروئے ہوئے ہیں، اگر چہ خون جدا جدا ہے، ہم عقیدہ کی وجہ سے اکٹھے ہیں اگر چہ زبان جدا جدا ہے، ہم کعبہ کی وجہ سے ہم قبلہ ہونے کی وجہ سے ایک ہیں اگر چہ ملک جدا جدا ہے۔

ہمارے دین کے اصول سنہرے ہیں، وہ خالص حق اور سچ ہیں، اس میں کوئی طریقت، حقیقت، تصوف، حجاب اور سلوک نہیں، ہمارا دین قرآن اور حدیث میں چمک رہا ہے، بتاو اس دنیا میں کوئی مذہب ہے جو اپنے اصولوں کو روزانہ دس مرتبہ دہراتا ہو؟ جس طرح ہمارے اصولوں کو ہمارے موذن روزانہ دہراتے ہیں، ہم کمزور اور ذلیل نہیں؛ ہمارے ساتھ اللہ ہے، ہم ہر روز دل آویز ترانہ پانچ مرتبہ سنتے ہیں، شجاعت ہماری خصوصیت ہے، انسان کا خون ہماری رگوں میں ہے، حوادثات دنیا اس سے بدل نہیں سکتے اور ہمارے دلوں سے محو نہیں کر سکتے، ہمارے پاس اللہ کا دیا ہوا سب کچھ ہے؛ لیکن ہمارے پاس ایسا جزیرہ ہے جس کی ریت میں طاغوت جل بھن جائیں؛ لیکن ہمارے مسلمان اس جہنم نما علاقے کو جنت سمجھ کر آباد کئے ہوئے ہیں، کاش کہ ہم صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں، تو فتح و کامرانی اور جہاں بانی ہمارا مقدر بن جائے۔ (اسلامی تاریخ (

چمکتا رہے گا افق پر ہمارا ستارہ
جب تک رہے گا ہماری زباں پر محمد کا نعرا

(اسلامی تاریخ مع اضافہ ساتھ) یہ مضمون راقم نے کسی رسالے کے لیے لکھا تھا، معلوم نہیں اس میں چھپا یا نہیں۔ ترقیات کے پردے میں تنزل وانحطاط کے طوفان میں پلتے جا رہے ہیں، وہی دنیا بدلتے جا رہے ہیں۔

اگر آج ہم چالیس پچاس سال قبل مسلمانوں کے حال کا اور ان کی تہذیب کا مطالعہ کریں، اور موجودہ دور کا ان سے موازنہ کریں تو دل شرمندگی سے پارہ پارہ ہو جاتا ہے، سوچنے، سمجھنے اور لکھنے کے سارے واسطے مسدود نظر آتے ہیں، اتنا بڑا فرق نظر آتا ہے کہ اگر متقدمین میں کوئی متاخرین کی زندگی کو دیکھتا تو اس کو اس پر خوشی ہوتی کہ ہم

ان سے پہلے ہی دنیا چھوڑ گئے۔

بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھا لیا
پھر اس چمن میں بوم بسے یا ہی رہے

پہلے ایسے گھرانے تھے جو اپنے بچے ،بچیوں کو اسکولوں و مدارس میں تعلیم دلانے کا اولین مرحلہ سمجھتے تھے، تہذیب وثقافت کا دور دورہ تھا، علم وعدل کی فضاء قائم تھی، ہر گھروں میں تعلیم کی کرنیں پھوٹتی تھیں؛ لیکن آج نئی تہذیب، نئی فکر آئی، نئی تعلیمات نے جنم لیا، مغربی ویورپین تہذیب وسوچ کی دہائی دی جانیلگی، اور لوگ ان کے نظر وفکر وکلچر کے سانچے میں ڈھلنے لگے، تو انسانیت تباہ ہوگئی، اخوت وایثار کا جنازہ نکل پڑا، عزتوں واحترام کا خون کر دیا گیا، بڑوں وچھوٹوں کی پہچان مٹا دی گئی، عریانیت، بے حیائی، بدچلنی عام ہوگئی، دنیا کی رنگینیاں زنجیریاں بن گئیں، علمی میدانوں کا کیا پوچھنا وہ تو اب کاغذ کے ٹکڑے کا ڈھیر بن چکا ہے، نہ علم ہے نہ عمل، نہ کمال ہے اور نہ زبان، نہ ثقافت ہے اور نہ ہی ادب، نہ قلب میں اطمینان ہے اور نہ ہی چہرے پے نورانیت کی چمک۔

انسانیت کہ جس سے عبارت ہے زندگی
انسان کے سائے سے بھی گریزاں ہے آج کل
افسانہ بن گئی ہیں وسیع الخیالیاں
کم ظرفی مزاج نمایاں ہے آج کل

آج ہر مسلمان مایوسی کا شکار ہے، یورپی تہذیب کے کلچر نے ان پر یلغار کی، اور ان کے جسم کے مستور اعضاء کو نمائش کا حیا سوز وطیرہ بنایا، ان کے تعلیمی اداروں نے اختلاط مرد وزن جیسے جنسی ہیجان کا کلچر عام کیا، قلم بنی کو عام کر کے ان کے گھر میں زہر ناکیوں کا پودا لگا دیا، نئی نسل کو تو زندہ مار دیا، ان کی رگ رگ میں اپنی ماڈرن زندگی کو پیوست کر دیا اور ان کو یہودیت اور عیسائیت کی صفوں میں لا کر کھڑا کر دیا۔

اور تہذیب کے دامن کو اس طرح تار تار کیا گیا کہ مسلمان دین سے دور ہوتا چلا گیا،

اب ہر قدم پے ہلاکتیں ہیں، ناانصافیاں ہیں، کرپشن ہے، اور ہر چیز پر انسانیت کی عریاں لاشیں ہیں، اور ہر طرف فحاشی، عریانیت کا بازار گرم ہے، جس کا بھیانک نتیجہ انسانیت کے سسکتے اور کراہنے کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں۔

ان سب سے بڑا کرم یہ ہے کہ ان کے نام کو اپنی حالت پر باقی رکھا اور سارے نظر وفکر، طور وطریق علم وعمل کو اپنے اپنیسانچے میں ڈھال لیا، اب تو صرف دل سوزی ودوزی ودل گازی سیعرض پرواز ہوں۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی
خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

(اقبال)

اثر خامہ

یہ مضمون راقم نے کسی رسالہ کے لیے لکھا تھا، پتہ نہیں اس رسالہ میں شائع ہوا بھی یا نہیں۔

تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (سورۃ الانفال)

اوراس فتنہ سے بچتے رہو ! جواگر اٹھا تو اس کی زد صرف انہیں پر نہیں پڑے گی جو تم میں ظلم کرنے والے ہیں، بلکہ سبھی اس کی لپیٹ میں آ جائیں گے، اور جان لو ! کہ اللہ سزا دینے میں سخت ہے

کسی ماحول میں یا کسی معاشرہ میں بے راہ روی اصول واخلاق سے چشم پوشی، نفس اور دولت پرستی، ظلم وسفا کی کا نتیجہ اسی فرد یا افراد تک محدود نہیں رہتا، بلکہ اس کا اثر پور معاشرے اور ماحول پر پڑتا ہے، اور وہ پورا معاشرہ اور ماحول جس نے اس کو روکنے کی کوشش نہیں کی اور اس سے آنکھیں بند کرلیں، اس کیگرفت میں آ جاتا ہے، پھر کسی کا اس سے بچنا آسان نہیں ہوتا۔

تاریخ گواہ ہے کہ دنیا میں کئی ایسی مستحکم سلطنتیں اور ترقی یافتہ تہذیبیں گزری ہیں، جن کا دنیا میں طوطی بولتا اور ڈنکا بجتا تھا؛ لیکن ان میں مرور زمانہ سے ذہنی انتشار، اخلاقی زوال وانحطاط رونما ہوا، نفس پرستی کا لاوا پھوٹ پڑا، انسانی حقوق پامال اور عزت وآبرو خاک میں ملائی جانے لگی، خواہشات نفس کی تسکین اور ذاتی مفادات کی تکمیل پر ذہانتیں اور علمی طاقتیں صرف کی جانے لگیں، مذہبی تعلیمات اور اخلاقی قدروں سے بالکل آنکھیں بند کرلی گئیں؛ بلکہ ان کا مذاق اڑایا جانے لگا، محلوں اور کوٹھیوں میں دادعیش دی جا رہی تھی اور اس زمانہ میں بھی بڑے بڑے تھنکر، فلاسفر، ادیب وشاعر اپنے اپنے کاموں میں لگے تھے، وہ اپنے جوہر دکھا رہے تھے، اور لوگوں کو اپنی فنی مہارت اور ادبی کمالات سے مسحور کر رہے تھے، لیکن معاشرہ بگڑا ہوا تھا، بازاروں میں فساد تھا، سڑکوں پر فساد تھا، خاندانوں میں فساد تھا، جب یہ فساد کی آندھی چلی تو رومن ایمپائر بھی جو اپنے قانون اپنے

نظم ونسق، اپنی وسیع فتوحات اور شاندار نو آبادیوں اور ترقی یافتہ تہذیب اور بلند معیار زندگی کی بنا پر دنیا میں ضرب المثل تھا، اس سب کے باوجود خالق کائنات کے مقرر کردہ ترقی وزوال اور موت وحیات کے ازلی وابدی قانون سے بچ نہ سکا، جس کی قرآن کریم نے تصویر کھینچی ہے، وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا وَ كُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ (سورۃ القصص)

اور ہم بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے سامان پر نازاں تھیں، سوان کے یہ گھر ہیں کہ ان کے بعد آباد ہی نہیں ہوئے، مگر تھوڑی دیر کے لیے، اور آخر کار ہم ہی مالک رہے۔

آج ہمیں صرف اپنے گھر کی فکر ہے، اس وقت یہ بیماری اس قدر بڑھ گئی ہے ہے ساری اخلاقی قدریں، سارے انسانی اعتبارات اور سارے قومی وملکی مفادات پس پشت پڑ گئے ہیں، خودغرضی، مفاد پرستی کا ایک جنون پیدا ہو گیا ہے، ہر شخص اسی فکر میں ہیکہ میں دن بھر میں کتنا کما سکتا ہوں میں مہینہ بھر میں کتنی آمدنی کر سکتا ہوں، میری تنخواہ کتنی اور بالائی آمدنی کتنی ہے، مجھے معاف کیجئے، آج کل بالائی آمدنی اصل ترجیح وفضیلت کا معیار ہے، شادی بیاہ کے رشتوں اور تقریبوں میں بے تکلف پوچھا جاتا ہے، اور تعارف وتعریف میں بھی کہا جاتا ہے، کہ بالا آمدنی کتنی ہے؟ اس آمدنی سے بہت کم لوگ بالا وبلند ہیں۔

حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

مختصراً اس لیے کہ انسانی قدر وقیمت کا احساس نہیں، انسانیت کے رشتہ سیا یک خاندان ہونے کا، اس کی طرف کشش اور میلان ہونیکا جذبہ نہیں، معصومیت انسانی جمال وکمال سے لطف لینے، ملک کی ہر چیز کو ملک کی راحت سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی عادت نہیں، حالاں کہ ہمارے اس ملک کو اس بات کا فخر ہے کہ یہاں وہ لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے باہر کی دنیا کو بھی امن ومحبت کا پیغام دیا، اس ملک کے خمیر میں محبت ہے، آپ

اس ملک کی تاریخ پڑھتے ہیں، اس ملک کی تاریخ خالی مہابھارت نہیں ہے، رامائن نہیں ہے، اس ملک کی تاریخ میں محبت کی وہ داستانیں ہیں، آپ کے بھائی چارہ اورایثار وقربانی کا جذبہ چمکتا ہوانظر آتا ہے۔

اصل چیز انسانیت ہے اس انسانیت کو تباہی اور ہلاکت سے بچانے کے لیے کتنے افراداور کتنی پارٹیاں آدمیت کے نام سے سرگرم ہیں، تہذیب وتمدن، سیاست وحکومت، ادب وفلسفہ اورعلم وفن کے آشیانے انسانیت کی شاخ پر قائم ہیں، اگر انسانیت کی شاخ باقی ہے تو آپ جیسا چاہیں ویسا نشیمن بنالیں، لیکن شاخ ہی نہ رہی تو نشیمن کا بقا کہاں؟

لیکن آج ہمارے ملک میں انسان کو انسان سے محبت اور ہمدردی نہیں رہی، پہلو میں وہ دل نہیں جو انسانیت کے سوز میں جلتے ہو، اس کا درد محسوس کرتیہوں، نفسانفسی کا قیامت خیز منظر ہے، ہر ایک کو اپنی پڑی ہے، آپ کے دل میں انسانیت کے احترام کا جذبہ، انسانیت کی محبت کا سوتا ہے، تو اس سے حرکت میں آنا چاہیے، وہ لوگ جو اس ملک میں ہم سے زیادہ اثر رکھتے ہیں، انھیں اپنی کرسیوں کو چھوڑ کر، چاہے وہ زارت عظمی کی کرسی ہو، یونیورسٹیوں اور عافیت کدوں کو چھوڑ کر اس ملک کو بچانے کیلیے میدان میں آنا چاہیے، یہ ملک نہ بچا تو یونیورسٹیاں، حکومت، جمہوریت کہاں رہے گی؟ ان کی بقا کہاں رہے گی؟ اوران کو پناہ کہاں ملیگی؟ ملک نہ رہے، انسانیت دم توڑ دے، تو اقوام متحدہ میں کیا جانور نمائندگی کریں گے؟ انسان ہونا شرط ہے قوم میں قومیت کا احساس اور سیاسی شعور ہونا شرط ہے۔

نفسوں کو تم نہ جانچو، لوگوں سیمل کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے، کیا چیز مر رہی ہے

کسی ملک یا قوم کیتحفظ وبقا کے لیے، افراد کو خودغرضی، ظلم، بے ایمانی اور خیانت سے بچانے کے لیے اصل طاقت تو خدا کا عقیدہ اورخوف ہے، جب کسی انسان کیدل ودماغ میں یہ عقیدہ جاگزیں ہوجائے کہ ایک ایسی بالاتر ہستی ہے، جو اندھیرے، اور اجالے

میں میری نگراں ہے، اور مجھے اس کیسامنے جواب دہی کرنی ہے، اصلاح کیلیے اس سے بہتر کوئی نسخہ نہیں، یہ وہ اصل طاقت ہے جو چوروں کو پاسباں بناتی ہے، رہزنوں کو رہبر بناتی ہے۔

اس کے بعد کسی درجہ میں کوئی طاقت اس کو تباہی سے بچا سکتی ہے، تو وہ سچی جب الوطنی ہے، یہ احساس ہو کہ یہ ہمارا ملک ہے، ہمارا شہر ہے، خدانخواستہ کسی ملک میں یہ دونوں جذبے ختم ہوجائیں، تو دنیا کی کوئی طاقت اس کو تباہی سے بچا نہیں سکتی، کوئی بھی اعلی سے اعلی تعلیم، ایک لاکھ یونیورسٹیاں کام نہیں آ سکتیں۔

ماخوذ اضافے کے ساتھ انسانیت کی مسیحائی
از ابوالحسن علی میاں ندوی

علماء وطلباء کی ذمہ داریاں

آج کل ہمارے علماء کا کام صرف پڑھنا، پڑھانا، مسئلے بتانا، اور فتوے کو لکھنا سمجھا جاتا ہے، لیکن اب وقت ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے پچھلے سبق کو پھر دہرائیں، اور دیکھیں کہ ان کا کام صرف علم ونظر تک نہیں بلکہ سعی وعمل جدوجہد اور عملی خدمت بھی ان کی منصب کا ایک بہت بڑا فرض ہے، ہر آبادی جہاں وہ رہیں وہ ان کی سعی وخدمت سے آباد رہے، ان کے علم وعمل سے گلی وکوچیں معمور رہے، وہاں کے جاہلوں کو پڑھانا، وہاں کے نادانوں کو سمجھانا، وہاں کے غریبوں کی مدد کرنا، وہاں کی ضرورتوں کو پورا کرنا، وہاں کے امیروں کو حق کا پیغام سنانا، وہاں کے معزز لوگوں کی خدمت کرنا، وہاں کے بھولے بھٹکوں کو راہ دکھانا، مسلمانوں کو ان کی کمزوریوں سے آگاہ کرنا، ان کو دنیا کی ضرورتوں سے باخبر کرنا، ضرورت کے ہر موقع پر آگے بڑھنا، اور اپنے علم وعمل کی ہر کوشش سے ان کو فائدہ پہنچانا ان کو معاشرے کی ہر برائی سے بچانا، موت کے بعد آخرت کی تیاری کرنا، ان کو خدا کی معرفت حاصل کرانا، ان کو اسلامی معاشرے کے قالب وسانچے میں ڈھالنا، ان کو سچا وپکا دین کا داعی بنانا، ان کے اندر سیاسی شعور پیدا کرنا، الغرض ان کی ہر موڑ پر، ہر سمت پر ہر آن ان کی رہنمائی کرتے رہنا یہی علماء وطلبہ کے فرائض ہیں۔

اگر دین ودنیا میں نیک نیتی چاہتے ہو تو قوم کی خدمت کو اپنے اوپر فرض سمجھو، کیوں کہ قوم کی ابتداء سے ملک، معاشرے، ادارے، انسانی نسل کی بقاء ہے، اگر قوم کا سفینہ گرد آب ہے، تو سمجھو کی اپنا بھی سفینہ موج تند کا شکار ہے۔

نگہ بلند سخن دلنواز، جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

(اقبال)

یہی وہ جاں پرسوز اور نگاہ بلندی تھی، کہ اسی ملک میں خواجہ معین الدین اجمیریؒ یا سید

علی ہمدائی کشمیری جیسا ایک فقیر بینوا آتا ہے اور پورے کے پورے ملک کو اپنے قلب کی حرارت اور اپنیا یمان کے نور سے بھر دیتا ہے، حضرت مجدد الف ثانی نے حکومت مغلیہ میں انقلاب برپا کر دیا، انہیں کی خاموش مساعی کا نتیجہ تھا کہ ہم اکبر کے تخت پر اورنگ زیبؒ جیسے فقیہہ ومتشرع بادشاہ کو دیکھتے ہیں، شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس طویل وعریض ملک کا رجحان بدل دیا، اور پورے نظامِ فکر اور نظام تعلیم پہ گہرا اثر ڈالا، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ایک عام مایوسی اور پسپائی کے دور میں اتنا بڑا اسلامی قلعہ تعمیر کر دیا، اور علوم فنون کو ایک نئی زندگی بخشی۔

عجب کیا گر مہ وپرویں مرے نخچیر ہوجائیں
کہ ہر فتنہ اگر صاحب دولتے بستم سر خودرا
ودانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا

اگر علم یہ بات پیدا نہ کرے، تو پھر وہ علم حقیقت میں علم کہلانے کا مستحق نہیں ہے، اگر علم وسعت شناسی پیدا نہ کرے اور اگر علم انسان کی حقیقت کو اس پر واضح نہ کرے، تو وہ علم لاعلم ہے۔

علم کی فطرت یہی ہے کہ وہ انسان اور اس کی نگاہ کو بلند کرتا ہے، اور یہ بتاتا ہے کہ مطالعہ میں کیا لذت ہے، اور اپنے مطالعہ کے گوشیمیں بیٹھ کر ایک انسان کس طرح بادشاہی کرتا ہے، اور وہ کس طرح آسانی کے ساتھ تخت وتاج کو قربان کرسکتا ہے۔

ایک انسان وہ سب کچھ بن سکتا ہے جس سے شہر نہیں؛ بلکہ پورا ملک، پوری قوم وملت کی تقدیر بدل سکتی ہے، وہ پارس بن سکتا ہیکہ اگر اس سے کوئی خدا کا باغی اور سرکش چھو جائے، تو ولی کامل بن جائے، جس بستی میں تم جاو وہاں بہار آجائے، وہاں کا موسم اور فضا بدل جائے، یہ تاثیر آج بھی پیدا ہوسکتی ہے، ایک انسان کی وجہ سے نہ جانے کتنی قومیں جنتی ہوسکتی ہیں، بے شک نبوت تو ختم ہوچکی ہے، لیکن وہ آیۃ من آیات اللہین

سکتے ہیں، حجۃ الاسلام، شیخ الاسلام بن سکتے ہیں، لیکن یہ تمام چیزیں قرب خداوندی کے بغیر نہیں حاصل ہوسکتیں، ہر انسان کو اپنا رشتہ اللہ سے مضبوط کرنا چاہیے، اللہ سے سچی و پکی محبت کرنی چاہیے، تو پھر دیکھیے اللہ کیسی بگڑی بناتا ہے، اس کے راستے کو ہموار کرتا ہے، اس کا فیض عام کرتا ہے، انسان اس کو سوچ بھی نہیں سکتا۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جاں کا زیاں ہے سو ایسا زیاں ہے
(صدرالدین آزردہ)

مثل کلیم ہو اگر معرکہ کی آزما کوئی
اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لاتخف

اثر خامہ

یہ مضمون راقم نے ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کے لیے لکھا تھا۔

مظلوم فلسطین کی دل خراش داستان

آج عالم اسلام پر کفر کی یلغار ہے، مسلمانوں کے مراکز عبادت گاہیں، آثار، باطل طاقتیں اور فرقہ پرستیوں کے نشانے پر ہیں، ان کے مٹانے کے لیے سب متحد ہیں، قبلہ اول (بیت المقدس) صیہونی طاقت کی ضد پر ہے، کہیں بابری مسجد کی سرزمین کو اپنے داداوں کی وراثت سمجھی جاتی ہے۔

غرض فلسطین خون میں ڈوبی ہوئی ہے، پچاس سالوں سے فلسطین عوام اسرائیل کی مظالم کا سامنا کر رہی ہے، ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں، ان کی عزت وآبرو کو خاک کستر کیا جا رہا ہے، اور عالمی طاقتیں تماشائی ہوئی ہیں، نہ کوئی کان لگانے والا ہے، نہ ہی مدد کے لیے ہاتھ بڑھانے والا ہے، ساری دنیا تماشہ بنی ہوئی ہے، سارے اقتدار کے لوگ عیش وعشرت کی زندگی بصر کر رہے ہیں، نہ مظلوم کی آہیں ان کے کانوں تک پہنچنے والی ہیں، نہ معصوم کی جگر خراش چیخیں ان کے پتھر دل کو موم کرنے والی ہیں، انسانیت کرار ہی ہے، پوری دنیا اندھیرے میں ڈوبی ہوئی ہے، مظلوم نالا کناں ہیں، مگر ظلم کے پہاڑ توڑنیوالوں فلسطین کے ہر مرد وعورت اور بچے کو نوک بندوق پر رکھا ہوا ہے۔

حقوق انسانی کی داعی دیگر عراق وافغانستان، مصر لیبیا، تونس اور دیگر مسلم ممالک پر فوج کشی کر کے ان کے حقوق اور شہریت چھیننے پر سرگرم ہیں، اقوام متحدہ کی پابندیاں مظلوموں سے لقمہ چھیننے پر لگی ہوئی ہے، مسلم ممالکوں کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ انھیں ان کی تاریخ کو تہس نہس کر کے رکھ دیا جائے گا، ان کی زمین آب وہوا اور ان کے ممالک کے بنیادی ڈھانچے تہہ وبالا وناکارہ بنا دیا جائے گا، کہ سینکڑوں سال دور بھی اس کا قدرتی حالت پر لوٹنا ممکن نہ ہوگا۔

دہشت گردوں کے اسی گروہ نے وہی عذاب مختلف مسلم ممالک کے بوڑھوں، بچوں اور ماوں پر مسلط کر دیا، وہاں کے دہشت وحشت سے مظلوم کی آہوں کے شرارے اٹھ

رہے ہیں، سہمے ہوئے بچوں کے دردانگیز نالے اٹھ رہے ہیں، لیکن افلاک سے آجاتا ہے حجاب آخر، جواب آخر، اٹھ جاتے ہیں، خدا بھی انھیں معاف نہیں کرے گا، تاریخ ان جرائم پیشہ سے پوچھتی رہے گی کہ افغان، عراق، فلسطین تمہارے ذلیل والد کی تمہیں عطا کردہ میراث تھی کہ تم نے اس حد تک تباہ و برباد کر دیا کہ جس کا تصور مردہ اور جانور بھی نہیں کر سکتے، ان بچوں کا کیا قصور تھا جنہیں تم نے زندہ ذبح کروا دیا، یا انھوں نیتمہاری اندھا دھن بم باری سے اپنے ہاتھ، پاوں، یا آنکھ، کان کھو دیے اور زندگی ان کے لیے وبال جان بن گئی؟ ان بوڑھوں اور سن رسیدہ خواتین نے تمہارا کیا بگاڑا تھا، جو بے گھر ہو گئیں، جن کا سہارا اور عصائے پیری جاتا رہا ہے، یا جن کے ہاتھ پاوں کٹ گئے، جن کے لیے راہ حیات تاریک ہوگئی، جن کے لیے زندگی کا لمحہ لمحہ جہنم سے بدتر ہو کے رہ گیا، ان دوشیزہ عورتوں کا کیا گناہ تھا جن کا سہاگ اجڑ گیا؟ جن کیلیے روشن دن سیاہ راتوں سے تاریک تر ہو گئے؟ ان ہزراوں بے گناہوں نے تمہارے باپ دادا کی کون سی ملکیت لوٹی تھی، جنہیں یہ سزا دی گئی کہ انھیں شب و روز کی بھیانک بمباری کے ذریعے اس طرح لقمہ اجل بن جانا پڑا کہ کئی کئی روز ان کی لاشیں بغداد، افغان، عراق اور فلسطین کے شہروں میں بے گور وکفن سڑتی رہیں؟ روٹی کے ایک ایک نوالے، پانی کے ایک ایک گھونٹ کو ترسنے والوں، محرومیوں اور مایوسیوں کو اپنے دامن میں سمیٹنے والوں، خوف و ہراس کو سہارا بنانے والوں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟ لاتعداد عربی خواتین جن کی عزتیں پامال ہوئیں، جن کی تمہارے بدکار و بدکردار اور انسانیت کے لیے ننگ و عار اور شراب و شباب کے عادی فوجیوں نے آبرو لوٹی، یا اوباش لوگوں کو ان عربی دوشیزاوں کے ساتھ ایسا کرنے پر اکسایا؟ انہوں نے ایسا اس لیے کیا کہ تاکہ عربی حرمت کی پامالی اور اسلامی عزت کی رسوائی کے ذریعے وہ اپنے صلیبی وصیہونی جذبے کو تسکین دے سکیں، ہماری یہ حالت ہو گئی کہ ہم موت، جرأت، و بہادری قربانی اور آگے بڑھنے کے فن سے بالکل نابلد ہیں، ہم صرف باتیں اچھی کر سکتے ہیں، خوب صورت قراردادیں پیش کر سکتیہیں، اور اپنی

زبانوں سے بہتر سے بہتر مذمت کر سکتےہیں ،اور علم پردازی کے ذریعے صحافت میں حصہ لے سکتے ہیں؛ لیکن ان مظلوموں کی آہ کو سن نہیں سکتے ،ان کو اپنی نیم شب کی دعاوں میں یاد نہیں کر سکتے۔

نرم قالین، کھلے صحرا، بھرے بینکوں میں زندگی گزارنے والوں کی اسلامی اخوت وحمیت کہاں کھو گئی ہے کہ مقدس انبیاء کی سرزمین پر زخموں سے چور مسجد اقصی، چھینے گئے فلسطین، مقبوضہ عربی سرزمین، شکستہ عربی شخصیت پیروں سے روندی ہوئی عربی شرافت، پامال شدہ اسلامی آبرو، تہہ تیغ کی گئی جانیں، اور تعذیب وتذلیل کے بھیانک مراحل گزر رہے ہیں، ان کا بھی ان پر کچھ حق ہے، قیدیوں کو چھڑانا تو ایک متعین فرض ہے، تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ قوم کی حالت الٹتے پلٹتے، بلدتے رہتے ہیں، اللہ کی طرف سے ایک آزمائش ہے آج ان کی باری ہے تو کہیں کل ہماری باری نہ آجائے، ان کی مدد کا ضامن صرف اللہ ہی ہے ہمیں صرف انہیں اپنی نیم شب میں دعاوں میں یاد رکھنا ہے۔

حشر کے دن وہ گنہگار نہ بخشا جائے گا
جس نے دیکھا تری آنکھوں کا پشیماں ہونا
(جگر)

اثر خامہ

یہ مضمون راقم نے راشٹری سہارا کیلیے لکھا تھا۔

عظمت قرآن

قرآن ایک آسمانی کتاب ہے، مستقل ہے، اپنی منفرد حیثیت رکھتی ہے، علوم انسانی کا پورا خزانہ اور اس کے سارے نظریات ریت کے پھسلتیہوئے ٹیلے کی مانند ہیں، جو بکھرتا بھی، پھیلتا بھی ہے، سمٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی ہے، اس پر کسی چیز کی بنیاد رکھنا درست نہیں، پھر یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ: قرآن اپنے بلند آسمانی مقام اور اپنے مستقل مضبوط اور ابدی بنیادوں سے گر کر ریت کے اس بے ثبات ٹیلے پر آرہے؟

قرآن کے مطالعہ اور تفہیم کو زمانہ کے محدود پیمانوں کا پابند نہیں بنانا چاہیے؛ کیوں کہ زمانے آتے جاتے رہتے ہیں، غور وفکر کے اقتدار بھی بدلتے رہتے ہیں، اشیاء کی قدر و قیمت کو بھی کبھی قرار نہیں، یہ چڑھتی اترتی رہتی ہے، ایک زمانہ میں جو نظریہ پیدا ہو یا جو اصطلاح وضع کی جائے جائز نہیں، اس نظریہ یا اصطلاح کو اگلے زمانہ یا اگلے پر بھی جوں کا توں منطبق کر دیا جائے۔

() منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین ابوالحسن علی ندویؒ نے فرمایا: قرآن مجید ایک زندہ جاوید اور عالم گیر کتاب ہے اس میں ہر عہد، ہر نسل، اور ہر حالات کے لیے رہنمائی ہے، یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول ? کو معجزہ کے طور پر عطا فرمایا، تمام انبیاء علیہم السلام کو معجزے عطا کئے، جن میں زمانہ کے حالات اور تقاضے لوگوں کے جذبات ورجحانات اور زبان ومکان کے حدود وقیود کا خیال رکھا گیا، اسی لیے اس وقت ان معجزات کا وجود نہیں، جو آسمانی کتابیں تھیں وہ تحریف کا شکار ہوچکی ہیں، اس کا اعتراف سارے مذاہب والوں نیکیا؛ لیکن جو معجزہ حضور علیہ السلام کو دیا گیا وہ ایک ایسا لازوال، دائمی، تازہ اور تابندہ ہے جو آج تک اسی طرح جدید اور زندگی سے لبریز، اور قیادت ورہنمائی کی صلاحیت سے بھرپور ہے، انسانی مشکلات اور پیچیدگیوں کا بہترین حل پیش کرتا ہے، زندگی کا آئینہ اور مرقع ہے۔

قرآن مجید مجموعی حیثیت سے بھی معجزہ ہے، اور جزوی حیثیت سے بھی معجزہ ہے، یعنی اس کی ہر ہر آیت معجزہ ہے، قرآن مجید ایک خزانہ عامرہ ہے، ایک بحر عمیق ہے، جس میں آبدار اور بیش بہا موتیوں کی کمی نہیں، آدم کے سارے کنبہ کو عالم انسانی کے ہر ہر فرد کو اس میں سے تقسیم کیا جائے تو بھی کمی واقع ہونے والی نہیں۔

بڑے بڑے فرماں رواوں، سرمایہ داروں، اور دولت مندوں کو دینے کے لیے اگر کوئی چیز ہے جو اضافہ کرسکتی ہے دنیا بدل سکتی ہے، قسمت چمکا سکتی ہے، وہ ہے قرآن مجید کی بھیک (رقم طراز علی میاں ندویؒ)

قرآن مجید تحت الثری سے اٹھا کر افلاک وثریا پر پہونچا سکتا ہیاور جو لوگ اس پر عمل نہیں کرتے ہیں، ان کو منھ کے بل گرا دیتا ہے، یہی قرآن مجید ہے جس نے عرب کے خانہ بدوشوں، صحرانشینوں جن کے پاس پیٹ بھرنے کو کھانا تھا نہ تن ڈھانکنے کو کپڑا، کہاں سے کہاں پہونچا دیا، خاک سے فلک پے بیٹھا دیا، جو ساربان تھے ان کو جہاں بان بنا دیا۔

جہاں بان و جہاں دار اور جہاں آرا۔

پر افسوس یہ عمل کی کتاب تھی دعا کی کتاب بنا دیا، سمجھنے کی کتاب تھی پڑھنے کی کتاب بنا دیا، زندوں کا دستور تھا مردوں کا منشور بنا دیا، علم کی کتاب تھی، لاعلموں کے ہاتھ تھما دیا، تسخیر کائنات کا درس دینے آئی تھی صرف مدرسوں کا نصاب بنا دیا، مردہ قوموں کو زندہ کرنے آئی تھی، مردوں کی بخشش پر لگا دیا، اے مسلمانوں ! یہ تم نے کیا کیا؟

یہی قرآن مجید نے جس نے عرب کے بددوں کو، خانہ بدوشوں کو جن پر دنیا کی توجہ بھی نہ ہوئی، انہوں نے قیصر وکسری کے تاج کو پاوں سے روندا اور ان کے تخت سلطنت پر ایسے بے تکلف بیٹھے جیسے بوریئے پر بیٹھتے ہیں:

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

درشبتان حرا خلوت گزید
قوم وآئین وحکومت آفرید
ماند شبہا چشم او محروم نوم
تابہ تخت خسروی خوابیدہ قوم

غار حراء میں ایک کمبل پوش نے چند راتیں گزاریں، ایک قوم پیدا کر دی، ایک آئین دیا، ایک حکومت بنا دی، اس کی آنکھیں چند راتیں نیند سے محروم رہیں، لیکن اس کی قوم تخت خسروی پر سونے کے لائق ہوگئی، اس نبی امی کے غلام قیصر وکسری کے تخت پر قابض ہو گئے۔

قرآن مجید مٹی کو اکسیر بنا دیا، اور جو اس کی ناقدری کرتا ہے، تو وہ اس کو مٹی میں تبدیل کر دیتا ہے، یہ اللہ کا بے لاگ قانون ہے، یہ دودھاری تلوار ہے اگر اس کا استعمال صحیح نہیں ہوا، ناقدری کی گئی تو قوموں کا کام تمام کر سکتی ہے، اللہ کا قانون ہے لاگ ہوتا ہے، اور ہر غیور قانون کسی حد تک بے لاگ ہوتا ہے، ہر باعزت شخص کی بات کی لاج ہوتی ہے، احترام ہوتا ہے، حکومتوں کا قانون جب نافذ ہو جاتا ہے، تو اس کا احترام لازم ہو جاتا ہے۔

اثر خامہ

یہ مضمون راقم نے علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبہ اردو دینیات کے طلبہ کے فرمائش پر لکھا تھا، تقریبا آٹھ سال قبل۔

مسجد اقصیٰ کی نالہ اور فریاد

اللہ تعالیٰ کی شان ہم ایسے دور میں جی رہے ہیں، جب یہود بے بہود کے قدم اس کی دہلیز تک آ پہنچے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ عنقریب حق و باطل کا جب عظیم ترین معرکہ بپا ہوگا، ہم اس میں اہل حق کے دست بازو بن کے اس اجر عظیم کو حاصل کر سکتے ہیں، جو نیک بختی اور خوش قسمتی کی بہت بڑی علامت ہے اور جو ہماری نجات کا ضامن اور مغفرت کی ضمانت بن سکتا ہے۔

مسجد اقصی مسلمانوں کی عزت کی علامت اور فتح وسرخروئی کا نشان ہے، یہودیوں کے حالیہ سفاکانہ حملے میں یہودی فوجیوں نے نہتے فلسطینیوں کے خلاف ٹینگ اور گن شاب، ہیلی کاپٹر استعمال کرتے ہوئے مسجد اقصیٰ میں خون کی ندیاں بہادیں، جس سے سارا عالم اسلام خون کے آنسو رونے پر مجبور ہوگیا ہے۔ضرب مومن اس نازک تاریخی موڑ پر اپنا فرض ادا کرنے کے لیے امت مسلمہ کی ضمیروں کو جھجھوڑنا ہے، ان کو غفلت کے دبیز پردوں سیبا ہر لانا ہے، ان کی دل میں عرض فلسطین کی لہولاشیں کا درد پیدا کرنا ہے، خون میں ڈوبی ہوئی زخم خوردہ مجاہد، در، بدر بھٹکی ہوئی ہے وہ عورتیں، یتیم، بے کس، و بے نوا بچوں کی نالا وفریاد کے خاطر آویزیں بلند کرنا ہے، اس میں شک نہیں کہ بے وفائی بہت بری خصلت ہے اور اعلیٰ ظرف وجواں مرد لوگوں کی نظر میں نہایت افسوس ناک چیز ہے؛ لیکن جس طرح کی بے وفائی اور بے مروتی عصر حاضر کے مسلمانوں نے مسجد اقصیٰ سے برتی ہے، وہ ایسی دردناک اور الم انگیز ہے کہ تاریخ وفا اور روداد جور و جفا میں اس کی نظیر نہیں ملے گی مسجد اقصیٰ مسلمانوں کے نزدیک تیسرا مقدس ترین مقام ہے، اس کی حفاظت اور خدمت اور ناپاک صلیبیوں اور غلیظ صہیونیوں سے اس کا تحفظ ان کا اولین فرض ہے؛ لیکن ان کا تعلق اب اس سے اتنا رہ گیا ہے کہ سال میں ایک دفعہ واقعہ معراج کے حوالے سے وہ اس تاریخی مقام کا تذکرہ کرلیں یا اسرائیل کی طرف سے اس کی بے حرمتی کی خبر نشر ہونے پر اونگھتے ہوئے شخص کی طرح آدھے سوتے اور آدھے جاگتے سن

لیں، بس اتنا کافی ہے ..... اس سیآ گے کا نہ کبھی ان کے ذہن میں کوئی خیال آتا ہے اور نہ کبھی اس سانحے کا احساس ہوتا ہے، جوان کے جیتے جی رونما ہو چکا ہے ..... دنیا کی مردود ومبغوض ترین قوم یہود نہ صرف ارض فلسطین پر تسلط جما چکی ہے اور باہر کے مسلمانوں کا یہاں داخلہ ممنوع قرار دیا جا چکا ہے؛ بلکہ مسجد اقصی کے اردگرد ان کی کئی قسم کی سرگرمیاں اور مذہبی رسومات جاری ہو چکی ہیں؛ لیکن جس منصوبہ بندی سے یہودیوں کی پیش قدمی اور حالات پر گرفت مضبوط کرنے کا عمل جاری ہے، اور جس کمال بے نیازی اور بے حسی کا مسلمان حکمراں مظاہرہ کر رہے ہیں، اس کو دیکھ کر یہی لگتا ہے کہ خاکم بدہن کہیں وہ وقت نہ آجائے، جب صہیونی ریاست کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے سرگرم عمل یہودی اس اسلامی دور میں ورثے میں مسلمانوں کا داخلہ ممنوع کر کے اس مکمل طور پر یہودی عبادت گاہ قرار دے ریں .....

آج ہم واقعہ معراج کی یاد بہت گرم جوشی اور شان وشوکت سے مناتے ہیں، لیکن افسوس؛ کہ اسراء ومعراج کے سنگم مسجد اقصی کے یہودیوں کے پاس چلے جانے کا غم؛ اس اس دن کوئی نہیں مناتا،، اس روز ہماری مساجد جگمگا رہی ہوتی ہیں؛ لیکن عین اس وقت مسجد اقصیٰ پر اندھیروں اور صہیونی تسلط کا راج ہوتا ہے ہمارے یہاں عظیم الشان محفلیں منعقد ہو رہی ہے ہوتی ہے، شب معراج کے تحفظ اور اس کی خاطر جہاد کرنے والوں کی ضمنی درجہ بھی نہیں دیا جاتا، ہمارے خطباء واقعہ معراج کی تفاصیل اور اس رات کی فضیلت سناتے سناتے صبح کر دیتے ہیں؛ لیکن بیت المقدس پر جو شب غم چھاتی ہے اس کی صبح کب اور کیسے ہوگی؟ اس کا نہ کوئی ذکر کرتا ہے، نہ اس کے اندھیرے کو کم کرنے اور صبح کی کرنوں کا راستہ بنانے کی فکر ہوتی ہے، یہودیوں کا اصرار ہے کہ مسلمان القدس سے دستبردار ہو کر یروشلم سے باہر ابودیس نامی گاوں کو مقدس مان لیں اس لیے وہ فلسطینی مسلمانوں پر ہر طرح کا دباو ڈال رہے ہیں، ظلم وجبر کر رہے ہیں؛ لیکن ہمارے دانشوروں اور رہنماوں کو اس کا علم ہے نہ اس کے توڑ کے لیے کچھ کرنے کا شعور یہودیوں نے فلسطین کی حدود کو مسلمانان عالم کے لیے مکمل طور سے سیل کر دیا ہے، باہر کا کوئی کلمہ گو وہاں داخل نہیں ہوسکتا

،اندر کے نہتے مسلمان ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، مسجد اقصیٰ کی ایک دیوار کو انہوں نے اپنی عبادت کے لیے مخصوص کر لیا ہے، حرم قدسی کیمقام پر ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے لیے ان کی منصوبہ بندی روز بروز آگے بڑھ رہی ہے؛ لیکن ہمارے یہاں صورت حال کی سنگینی کا کسی کو ادراک ہے، نہ گولیوں کا مقابلہ پتھروں اور ٹینکوں کا مقابہ غلیلوں سے کرنے والے فلسطینی مسلمانوں کی تنہائی اور بے بسی کا احساس۔

اس عالم میں اور ہر مسلمان، دانشور، قائد، رہبر، مبلغ سے پکار کر کہتی اے اہل اسلام ! تمہاری غیرت کو کیا ہوا؟ کیا تم صرف سجدوں پر بخش دیئے جاوگے؟ کیا شعائر اسلام کے تحفظ کے بغیر تمہاری عزت باقی رہ سکتی ہے؟ کیا مسجد اقصیٰ کے بعد دوسری مساجد محفوظ رہ سکتی ہیں؟ کیا فلسطینی عوام کی چیخ و پکار تمہیں راحت و آرام کی نیند سونے دے گی؟ کیا بے کس، و بے نوا معصوم و یتیم بچوں کی آہ و بکا تمہیں معاف کر دیے گی؟

یارب دل مسلم کو تو زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے
پھر وادی فاراں کے ہر ذرے کو چمکا دے
پھر شوق تماشا دے، پھر ذوق تقاضا دے

اقبال

لیکن مسلمان اپنے حال میں مست ہیں، ان کے خیال میں جمعہ وعیدین میں شرکت اور شب معراج، عظمت اولیاء، جلسہ سیرت النبی ﷺ منا لینا، اسلام سے مضبوط تعلق کی نشانی ہے، جس جس نے یہ سب کچھ کر لیا اس سے روز قیامت مسجد اقصی کے تحفظ کے لیے کوئی سوال ہوگا نہ بے دردی سے مارے جانے والے مظلوم فلسطینیوں کے انتقام کے لیے کچھ نے کرنے پر اس پوچھ ہوگی، نہ یہودیوں کے ظلم کے خاتمے کے لیے کچھ سوچنا ان کے فرائض میں شامل ہے، اور نہ روتی چلاتی ماوں بہنوں اور سسکتے کراہتے نوجوانوں زخمیوں کے لیے کچھ کرنا ان کی شرعی اخلاقی ذمہ داری ہے۔

الوداع مادر علمی دارالعلوم

گلستان دارالعلوم دیوبند کے مرغان خوش الحان آداب گل ولالہ کا سبق لے کر شاخ گل سے جدا ہو چکے ہیں۔ساتھ ہی ساتھ جدائی کا صدمہ فراق کی خلش ،نوک مژگاں پر اشکوں کی لڑیاں اور ربط دل پر مضراب فغاں ہے۔

آہ! مادر علمی جس کی آغوش میں ہم نے چلنا سیکھا، جس کی علمی فضاوں میں پرواز کرنا سیکھا، جہاں ہم مدتوں مصروف گل چینی ومحو چمن آرائی رہے، جہاں کی خاک کو ہم سرمہ چشم بنایا، جس کے دیدار سے مدتوں ہم اپنی آنکھوں کو بہرہ ور کرتے رہے، اور دل ودماغ کو فرحت وشادمانی کی لذت سے ہمکنار کرتے رہے۔آج وہ مادر علمی ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے اور اپنی پوری آب وتاب کی ساتھ اسلام کے تئیں اپنی خدمت میں مصروف عمل ہے، اس کی یادیں ہمارے سینوں میں محفوظ ہیں، اس کی حسین شامیں دل کش سحر کی آگاہی اور تبسم ریز صبحیں ہمارے ذہن ودماغ اور آنکھوں کے دریچوں میں روشن ہیں۔اے مادر علمی تو ہماری نظر میں کشمیر کی حسین وادیوں سے کہیں زیادہ دلآویز اور دیدہ زیب ہے، تیری عمارتیں ہمارے نزدیک عہد مغلیہ کی شاندار پرشکوں اور مینا کاری سے آراستہ و پیراستہ عمارتوں سے زیادہ دلکش نظارہ جمال کی حامل ہیں، تو ہمارے خوابوں کا حسین تاج محل ہے، تیرا ذرہ ذرہ ہمارے لئے آفتاب ومہتاب سے کہیں زیادہ درخشندگی وتابندگی لئے ہوئے ہے، تو ہماری تمناوں کا مرکز ہے، تو ہماری آرزوں کا شیش محل ہے تو ہماری خوابوں کا تاج محل ہے، اس لیے کہ تو ہمارے دلوں کی دھڑکن ہے تو ہماری آنکھوں کا نیر باتاں ہے۔

یہی تھوڑی سی مئے ہے یہی چھوٹا سے پیمانہ
اسی سے رند راز گنبد مینا سمجھتے ہیں

سلام تجھ پر اے دارالعلوم !اے ملت اسلامیہ کے ترجمان، علم واعرفان کے مخزن،

علوم وفنون کے مرکز قریب ہے، انسانیت کے غمگسار وغمکھار ہے، تری فرقت اور یاد میں غم وحزن کا کوہ آتش فشاں پھٹ پڑے، آنکھیں ہیں جام فراق میں اشک چھلکائے جارہی ہیں ہائے یہ کیسی کیفیت دل ہے کہ ضبط اشک کا یارا نہیں۔

لاکھ وہ ضبط کرے میں تو ٹپک ہی جاوں
ساغر دیدہ پر نم سے چھلک ہی جاوں

عزیزو! دل کا پیمانہ جذبات غم سے لبریز ہے اور یہ؛ کیوں نہ ہو اس لئے کہ ہمارے اساتذہ آسمان علم وادب اور فکر وفن کے درخشاں وتابندہ ستارے، یہ ماہتاب وآفتاب یہ اخیار وابرار جن کے چشم حیواں سے تشنگان علوم اپنی پیاس بجھانے کے لئے ان کی خدمت میں حاضری دینا اور کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنا اپنے لئے باعث شرف وعزت سمجھتے ہیں۔ ہمارے اساتذہ آج ہم سے دور ہیں اور خدمت علم وفن اور دعوت فکر وعلم میں مشغول ہیں، اور نئی نسل کی شخصیت کو سنوارنے کا اور اسکی ذہن سازی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، ان کی یاد میں آج ہمارا دل بے چین وبے قرار ہے اور آنکھیں اشک فشانی کے لئے تیار ہیں؛ کیونکہ وہ دل ہی کیا جس دل میں نہ ہو طوفان بے تابی اور جہاں تک آنکھ کا تعلق ہے وہ آنکھ آنکھ نہیں نم نہ ہو جو اشکوں سے۔

ہمارے دل شکستہ در بخور کیوں نہ ہو، ہماری آنکھوں سے ان مثالی شخصیتوں کی یاد میں آنسوؤں کا سیل رواں جاری کیوں نہ ہو کہ دل ہی تو ہے نہ کہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں خدا ان نفوس قدسیہ کو تا دیر سلامت رکھے اور ملت اسلامیہ کو مدتوں ان کی برکات سے مستفید فرمائے۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے دن ہوں یا پچاس ہزار

اور جو لوگ اس دار فانی سے دار بقاء کو سدھار گئے ان کو پروانہ مغفرت عطا فرمائے اور خلد بریں میں ان کا داخلہ فرمائے۔

آہ! ہمارے وہ اساتذہ جو ہمیں جان سے بھی زیادہ عزیز تھے، جن سے ہماری حسین یادیں وابستہ ہیں، جن کے ساتھ ہمارے فرحت و شادمانی کے لمحات کا ایک لمبا عرصہ گذرا، جن کے ساتھ مذاکرات کی مجلسیں قائم ہوا کرتی تھیں۔ وہ عندلیبان چمن بھی اپنے ترنم ریز نغمہ سنجی سے یاران چمن کو مسحور کر کے اور اپنی آواز کا جادو جگا کر داغ فرقت دامن دل پر دے کر چلے گئے، آج وہ باتیں درس کا رواں اور بحث و مباحثے سے گرم مجلسیں ایک ایک کر کے یاد آ رہی ہیں اور دل ناداں کو مخاطب کر کے یوں کہہ رہی ہیں کہ وہ سرور شاد مانی کے لمحات پھر نصیب نہ ہونگے؟ وہ ہنسی وخوشی کی محفلیں، دوبارہ نہ آئیں گی، وہ باہم علمی موشگافیاں، اور وہ فقہی نکتہ سنجیاں، وہ ایام سرور و بہار، وہ بے تکلف نشست و بر خاست پھر کبھی لوٹنے والی نہیں ہے۔

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھا رہوں تصور جاناں کئے ہوئے

خدا جانے وہ یاران باصفا اور احباب باوفا آج دنیا کے کس گوشہ میں خدمت دین اور اشاعت اسلام کا عظیم کام کس اخلاص و بے لوثی اور کیسی للّٰہیت و بے غرضی کے ساتھ انجام دے رہے ہوں گے۔

آئے عشاق گئے وعدہ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

رفیقو! جہاں ایک طرف ہمارے دل یاد ایام بہاراں میں درد مہجوری سے بے قرار اور ہمارے ذہن بے کیفی و بے اضطراری کا شکار ہیں، تو وہیں دوسری طرف مادر علمی کا عطا کردہ عزم جواں، ہر لمحہ دواں، بے باکی، ونڈر فیصلہ، جوش و جنون اور کچھ کر دکھانے کا حوصلہ ہمارے جسم و دماغ کو ذہنی و فکری بالیدگی عطا کر رہا ہے اور یہ پیغام عمل دے رہا ہے۔

تو مرد مسلماں ہے تو پیغام عمل دے
اٹھ اور زمانے کے مقدر کو بدل دے

دوستو اور ساتھیو! علم و ادب اور تمدن و ثقافت کے اس گلزار دبستاں میں، قدیم و جدید کے اس سنگم میں، اس دانش کدہ تحقیق ونظر میں اور اس گلشن تنقید وادب میں ہم نے اپنی حیات مستعار کے چند لمحات گذارے تھے اور وہاں کی علمی ونورانی فضا سے اپنے دلوں کو منور کیا تھا، اس مادر علمی کے فرزندوں کی جاں فروشی و جاں نثاری روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ باطل کے سامنے سینہ سپر ہوجانا، الحاد ودھریت کا مقابلہ کرنا، منحرف عقائد کے پرزے اڑانا، گمراہ کن تحریکوں کی سرکوبی کرنا، مستشرقین کا دندہ شکن جواب دینا، باطل تحریکوں اور قادیانیت کی بیخ کنی کرنا، دین وادب کے اس مجمع البحرین کا طرہ امتیاز رہا ہے۔

لہذا ہمیں بھی اخلاقی جرات، ایمانی طاقت اور دعوتی اسپرٹ کے ساتھ میدان عمل میں آنا ہوگا اور زمانہ کے ایمان سوز، حیادل دوز، اخلاق سوز فتنوں کا ڈٹ کا مقابہ کرنا ہوگا، اور ایسے فضلاء دارالعلوم کا کردار ادا کرنا ہوگا جن کے اندر صدیقی فراست، فاروقی عدل و انصاف، عثمانی جود وسخا، علوی فقاہت ودانائی، خالد بن ولید کی سیاست وقیادت، عمرو بن عاص کی حکمت وبصیرت قاسم نانوتوی کا جوش و ولولہ، رشید احمد گنگوہی کا جذبہ جہاد، شیخ الہند کا سوز وگداز، شفیع عثمانی کی تحقیقی نظر، اشرف علی تھانوی کی قرآنی بصیرت، اور حسین احمد کا درد وفکر ہو جو اقبال کی زباں میں زمانہ کو مخاطب کر کے بڑی جرات و بے باکی کے ساتھ یہ کہہ سکیں۔

کرم تیرا کہ بے جوہر نہیں میں
غلام طغرل و سنجر نہیں میں
جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

اثر خامہ

یہ مضمون راقم نے ایک طالب علم کے لیے لکھا تھا، جب وہ اپنے مادر علمی سے رخصت ہورہا تھا۔